

WWW.PAKSOCIETY.COM

تعلیمی تریت

مئی 2015ء

پیشوا سادات کی سیرت

پاک سوسائٹی

ڈاٹ کام

مالک عظمت

جلد نمبر: 08

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM  
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY  
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY



# تعلیم و تربیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

موجودہ لیزا کا خالق لیونارڈو دا ونچی ایک عجیب انسان تھا۔ وہ بہترین مصور، شاعر، دانشور اور اہل پائے کا ساتھی تھا۔ وہ دن رات آرت گیلری میں کام کرتا۔ جب تک جاتا، ہر شے پر قابو نہ رہتا تو وہ آرت گیلری سے نکل کر اسٹوڈیو کی طرف چل پڑتا جہاں وہ تنہا، پرسونیم اور ڈرامہ بنانا شروع کر دیتا۔ وہ موسیقی کی دھنوں کے رنگ بھیرتا ہوا سارے اسٹوڈیو کو بکا دیتا۔ اس کا یہ سلسلہ کافی دنوں تک جاری رہتا۔ اگر یہاں اس کی جنسیں گزرد پڑ جاتیں، ساز اور آواز کا سلسلہ ٹوٹ جاتا تو وہ موسیقی کے آلات کو زور بھینکتا اور لیبارٹری کا ٹیڑھ کر لیتا جہاں نت سے تقریبات اس کے منتظر ہوتے۔ وہ اپنی آنکھیں نیچے اور سرخ لٹس پہنچا دیتا۔ اوہان کے بھونے پر آلات اور کیسائی ہادوں کے خواص کی شیت پر مرکوز کر دیتا۔ وہ مشاہدات کرتا، تجزیہ کرتا اور کیسائی عمل کے نتائج کے نوٹس لیتا رہتا۔ اگر یہاں بھی یہ عمل اپنی دلچسپی کو دیتا، اس کی آنکھیں پوچھنے اور باتیں، جسم تحکات کا شکار ہو جاتا تو وہ ہریت پر قابو پانے کے لیے اپنی آرت گیلری میں لوٹ آتا۔

لیونارڈو ڈوونچی کو قدرت نے تین مختلف شعبوں میں کیساں مقبولیت کے ملاوہ ایک اور صلاحیت سے نوازا تھا کہ وہ ایک ہی وقت میں دونوں باتوں سے کام کرنے کی مہارت رکھتا تھا۔ وہ بڑی خوبی کے ساتھ انہیں بائیں ہاتھ سے دیکھ کر سکتا تھا۔ اُن کے سیدھے ہاتھ سے گنار بجا سکتا تھا اور دونوں ہاتھوں سے لکھ سکتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس میں یہ خوبی تھی کہ وہ دنیا کا واحد شخص تھا جو ایک ہی وقت میں ایک ہاتھ سے تصویر اور دوسرے سے گھڑی تیار کر سکتا تھا، جو ایک ہاتھ سے گھڑی تیار کر سکتا تھا اور دوسرے سے کوئی بھی آلہ موسیقی بجا سکتا تھا لیکن اس طرح کے گھڑی کے ہڈوں کا توازن بگڑا۔ نہ رنگوں کی انفرادیت بھروسہ ہو اور نہ ہی شروں کا سن متاثر ہو۔ بھی کھاتا تو ایسے بھی ہوا کہ ڈوونچی نے اپنے ساتھ دو ہڈی لگائے، ایک پر ایک ہاتھ سے کسی کی پورٹریٹ شروع کی اور دوسرے ہاتھ سے کوئی لینڈ اسکیپ چیت کرنے لگا۔ جب انہیں عمل کیا تو دونوں زبردست ہوتی تھیں۔

ایک ہاتھ سے کسی کی پورٹریٹ شروع کی اور دوسرے ہاتھ سے کوئی لینڈ اسکیپ چیت کرنے لگا۔ جب انہیں عمل کیا تو دونوں زبردست ہوتی تھیں۔ ستم ظریفی سے ایک دن ڈوونچی جب صبح اُٹھا تو اس کے دونوں بازو کندھوں سے اٹھیں تک مفلوج ہو چکے تھے اور ایک جبریت انگیز زندگی اس کے دروازے پر دھک دے رہی تھی۔ اسی عالم میں وہ گھنٹوں آرت گیلری میں بے کار بیٹھا رہتا۔ وہ ہڈیوں پر چڑھی ہوئی اجموری تصویریں، رنگوں سے بھرے ہوئے برش اور تھامی اسکیچز پر حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا۔ جب یہاں دیکھ برداشت سے باہر ہوتا تو وہ اُٹھ کر اسٹوڈیو آ جاتا جہاں پیانو، گٹار اور فورم اسے متہ چڑا رہے ہوتے۔ جب یہاں بھی اسے جین نہ ملتا تو وہ لیبارٹری میں چلا جاتا جہاں مشینوں پر چڑھی ہوئی اس کا مذاق اڑاتیں۔ مشاہدات، نتائج کے نوٹس اس کی بے وقوفی کا قصیدہ پڑھتے اور اس ایلے پر مسکراتے۔ یہاں اس کی برداشت جراب دے جاتی اور وہ بچوں کی طرح زار و قطار دونا شروع کر دیتا۔ وہ اتار دیتا کہ اس کی گھٹی سیاہ، داڑھی سیلے تو لیے کی طرح آنسوؤں سے بھاری ہو جاتی۔

کسی نے ڈوونچی سے پوچھا: "اگر ایک لٹے کے لیے تمہارے بازو زندہ ہو جائیں تو کیا کر گے؟" اس نے فوراً جواب دیا: "میں اپنے آپ کو چھو کر دیکھوں گا۔" آخری وقت میں کسی نے اس سے کہا: "ڈوونچی آپ کی کوئی خواہش؟" اس نے پوچھنے والے کو حیرت سے دیکھا اور مسکرا دیا، پھر آنکھیں موند کر فطرت سے بولا: "کاش ڈوونچی اپنے ہاتھ سے ناک پر بیٹھی کسی آواز سکتا۔ کاش اسے کاش!"

پیارے بچو! آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے انسان کیا کام کر سکتا ہے لیکن وہ قدرت چاہے تو کسی چیز کو بے جان بھی کر سکتی ہے۔ لہذا ہمیں اللہ باتوں سے حیرت حاصل کرنی چاہیے۔ انسان بے بس، عاجز ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین پر سوتلی گھاس میں بھی جان ڈال کر سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔

28 مئی کا دن ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جب چاشنی کے مقام پر 5 ایسی دھماکے کر کے پاکستان نے پہلی اسلامی ایٹمی قوت کی حامل ملک بننے کا اعزاز حاصل کیا تھا۔ اس شہادت میں یوم حرور اور مدد کے حوالے سے بھی تحریریں حاضر ہیں۔

فیضان اللہ (ایڈیٹر)

سرکولیشن اسسٹنٹ

اسسٹنٹ ایڈیٹر

ایڈیٹر، پبلشر

محمد بشیر راہی

عابدہ اصغر

ظہیر سلام

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ تعلیم و تربیت 32 - انجیر لیس روڈ، لاہور

UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816

E-mail: tottarbiat@live.com

tottarbiat@live.com

پر نثر: ظہیر سلام

مطبوعہ: فیروز سنٹر (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور

سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہرہ قائد اعظم، لاہور

سالانہ خریداری کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بینک ڈرافٹ یا حتی آرڈر کی صورت

میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32 - انجیر لیس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔

فون: 36278816 36361309-36361310 فیکس

ایشیا، افریقا، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 850 روپے۔

مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔

30 روپے

1	مدیر	اداریہ
2	خالد بڑی	سرور و نعت
3	محمد حبیب الیاس	دینی قرآن و حدیث
4	فیاض احمد	مکاتبات
8	شیخ عبدالحمید مایہ	ماں کی عظمت
10	پنڈت پدما شنکار	پیری بیاض سے
11	راشد علی نواب شاہ	بیادے اللہ کے
13	نورین شاہین	محمد اشرف طائی
15		کیا آپ جانتے ہیں؟
16		کھڑا - تیز رفتاری اور پدما شنکار
17	ماطر شاہین	قرض
19	فتح محمد رشتی	کھڑکھار کرپ اور
24		ادب و فن
25	پدما شنکار	پیری زندگی کے مفاسد
26	نعمت محمدی	نعمت محمدی
28		داغدار
29	ڈاکٹر طارق ریاض	بچوں کا انفرادیت
31	اداریہ	دماغ و علم
32		نئی سلطنت کی آمد
33	محمد فاروق دانش	کڑوا
36	زبیر و سلطنت	مادر کہانی
37	نعمت محمدی	کھنکھانے
38	نعمت محمدی	بوجھ تو جائیں
39	بازوق تاریکین	آئینے مسکرائیں
40	دکھان اسلام کبیر	ماں، ماں کے اور ہم
42		کوچن
43	کتاب خانہ مائیں	ادب کا حور
47	نعمت محمدی	آپ بھی لکھیے
51	زبیر و سلطنت	زندہ دلش، زوی
54		تھیں دس منٹ کا
55		ایڈیٹر کی ڈاک
57	غلام حسین سیکس	چاشنی
59	کاشف فیاضی	سندباد کا چٹا ستر
62	مسلکی احوال	نیرا گات و ہنر
64		یار مہمان

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلی





## آپ ﷺ نے فرمایا

فرمایا تم مسلم سارے آپس میں بھائی بھائی ہو  
مل جل کر رہو الفت سے سدا منظور جو اپنی بھلائی ہو  
فرمایا دور کرو سب فکریں تم آفت کے ماروں کی  
معذوروں کی مجبوروں کی، بیماروں کی بے چاروں کی  
فرمایا تم امداد کرو مظلوموں کی ہتھیاروں سے  
دیکھو دنیا میں ظلم نہ ہو، ان نیزوں اور تلواروں سے  
فرمایا جب تک قوم کوئی خود آپ درست نہیں ہوتی  
نقدیر الہی بھی اس کی امداد پہ پخت نہیں ہوتی  
وہ ماہِ عرب ہی اسے نیر اپنا تو جہاں میں سہارا ہے  
ہو جائیں فدا اس نام پہ ہم یہ نام ہی ایسا پیارا



## حرم باری تعالیٰ

ترے سوا اے خدائے واحد کسی کے آگے نہ سر جھکاؤں  
ترے ہی ذرے مراد مانگوں تجھی کو میں حالِ دل سناؤں  
فضائیں معمور میرے دم سے ہوں عالم حق و راستی کی  
وہ زور بازو مجھے عطا کر کہ قصرِ باطل کے سب گراؤں  
نظامِ عالم تیرے سحرِ مہین سرا سر بگڑ چکا ہے  
تری نوازش جو دے اجازت تو اپنی دنیا ہی بساؤں  
تڑپ رہا ہوں میں تفتگی سے جہانِ بے مہر و کینہ خو میں  
پلا مجھے بادۂ محبت کہ دل سے نقشِ دُوی سناؤں  
مجاز و باطل کے بلکدوں کو جلا دوں سوئے فغانِ دل سے  
خدائے پرورد سے جہانِ عمل کو میں خواب سے جگاؤں

خالد بڑمی



## معراج کا خاص تحفہ

اقصیٰ سے آسمانوں تک جاتا اور عالم بالا کی سیر فرمانا یہ سفر کا دوسرا مرحلہ تھا جسے معراج کہتے ہیں، جس کا کچھ ذکر سورہ نجم میں ہے اور دیگر تفصیلات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ یہ آنا جانا سب حالت بیداری کا واقعہ ہے۔ آپ واقعاً روح اور بدن سمیت پہلے بیت المقدس اور پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ پھر رات ہی رات آپ واپس بھی تشریف لے آئے۔

احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ جب آپ کا واپسی پر حضرت موسیٰ کے پاس سے گزر ہوا اور ان کو معلوم ہوا کہ آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں لوگوں کو زیادہ جانتا ہوں۔ میں نے اپنی امت بنی اسرائیل کے ساتھ بہت محنت کی ہے مگر وہ لوگ فرض نمازوں کا اہتمام نہ کر سکے۔ بلاشبہ آپ کی امت بھی اتنی نمازیں پڑھنے کی طاقت نہ رکھے گی، اس لیے آپ اپنے رب کے پاس چاہئے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ یوں حضرت موسیٰ کے توجہ دلانے پر اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار درخواست کرنے پر نمازیں پانچ رہ گئیں۔ اب جو حضرت موسیٰ کے پاس گزر ہوا تو انہوں نے مزید تخفیف کروانے کا کہا مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”میں نے اپنے رب سے یہاں تک سوال کیا کہ اب مجھے شرم آتی ہے، اب تو میں اسی پر راضی ہوتا ہوں اور اس کو تسلیم کرتا ہوں۔“ اس پر رب کریم نے وعدہ فرمایا کہ پانچ نمازیں پڑھنے پر بھی میں پچاس نمازوں کا ثواب عطا کروں گا۔

نماز، معراج کا خاص تحفہ ہے کیوں کہ دیگر عبادتیں اسی سرزمین پر رہتے ہوئے فرض کی گئیں لیکن نماز عالم بالا میں فرض کی گئی۔

اگر ہم دن بھر میں پانچ نمازیں پابندی کے ساتھ مقررہ وقت پر توجہ اور عاجزی کے ساتھ ادا کریں تو تب ہم اس تحفہ کی قدر کرنے والے ہوں گے۔ بچو! آپ اس کا اہتمام کریں گے ناں! ☆☆

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں سے کبھی ایسی باتیں ظاہر کرا دیتا ہے جن کے کرنے سے دنیا کے دوسرے لوگ عاجز ہوتے ہیں تاکہ لوگ ایسی باتوں کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں، ایسی باتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔ معجزات صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت ہی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ معراج شریف کا واقعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم معجزات میں سے ہے۔ یہ واقعہ ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔

قرآن کریم کے پندرہویں پارہ کی ابتداء میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تاکہ ہم انہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز دیکھنے والا ہے۔“ (سورہ بنی اسرائیل - آیت: 1)

اس واقعہ کی پوری تفصیل تو احادیث اور سیرت کی کتابوں میں درج ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور رات کے وقت آپ کو ایک جانور پر سوار کیا جس کا نام براق تھا۔ وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا۔ مسجد حرام (خانہ کعبہ) مکہ مکرمہ میں ہے اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) فلسطین کے شہر القدس میں ہے جس کا پرانا نام ایلیا ہے۔

یہ سفر معراج کا پہلا مرحلہ تھا جسے اسراء کہتے ہیں۔ پھر وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو ساتوں آسمانوں پر لے گئے۔ ہر آسمان پر آپ کی ملاقات پچھلے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر سے ہوئی اور آپ کو عالم بالا کی سیر کروائی گئی۔ آپ کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے پانچ نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا۔ مسجد





پھر بھی وقت پر وہ اپنی دکان پر چلا آیا۔ اسے اسکول جانے والے بچوں کو خوش آمدید کہنا تھا۔ پھر صبح کے دس بج گئے۔ اب عثمان کو اپنا بلڈ پریشر چیک کروانے کے لیے ڈاکٹر کے کلینک پر جانا تھا۔ کلینک پاس ہی تھا۔ پانچ منٹ کے لیے دکان کو پھر سے سمیٹ دینا، عثمان نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے اس نے ساتھ موجود حافظ صاحب کو آواز دی۔ وہ یہاں چائے کا ہوٹل چلاتا تھا۔

”حافظ صاحب..... میں ذرا ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں، دکان کا خیال رکھیے گا۔“ چائے والے نے دکان کی ذمہ داری لے لی تھی۔ اب عثمان ڈاکٹر کے پاس آیا۔ اس کا بلڈ پریشر ہائی تھا۔ اسی وجہ سے سر میں درد تھا۔ ڈاکٹر نے اسے دوا دی اور عثمان پھر سے اپنی دکان پر چلا آیا۔ یہاں ایک عجیب منظر عثمان کا منتظر تھا۔ ایک چار سال کا چھوٹا سا بچہ جانے کیسے چائے والے کی نظروں سے بچ کر دکان میں گھس آیا تھا اور اب وہ ڈبوں میں موجود چیزیں اٹھا اٹھا کر اپنی جیبوں میں ٹھونس رہا تھا۔ اس کا سارا دھیان چوری کرنے پر لگا ہوا تھا۔ عثمان اتنے چھوٹے سے بچے کو ایسی کارروائی کرتے ہوئے دیکھ کر ہنس پڑا۔ پھر اسے شرارت سوچھی۔ وہ چپکے سے بچے کے قریب پہنچا اور پھر اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

”پکڑ لیا.....!“ عثمان کی آواز میں جوش تھا۔ اچانک آنے

بازار سے ملحق ایک گلی کے کونے پر عثمان کی دکان تھی۔ اس دکان کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں صرف اور صرف بچے خریداری کر سکتے تھے۔ عثمان کو بچوں سے بہت محبت تھی، اس لیے اس نے کام بھی ایسا ہی شروع کیا تھا جو بچوں کے ارد گرد ہی گھومتا تھا۔ یہاں بچوں کے کھانے پینے کی تمام اشیاء موجود تھیں۔ مختلف انواع و اقسام کی سوینس، جلیز، کھٹے میٹھے پاؤ اور پھلوں کے جوس وغیرہ۔ اس نے اپنی دکان کا سیٹ اپ ایسا بنایا تھا کہ بچے اپنی پسند کی چیزوں کا انتخاب خود کرتے تھے۔ لکڑی کے تختوں پر تمام اشیاء طریقے اور سلیقے سے سجی ہوئی تھیں۔ دکان میں عثمان کے ذمے صرف دو کام تھے۔ ایک تو بچوں سے چیزوں کی قیمت وصول کرنا اور دوسرے جو ڈبہ خالی ہو جاتا، وہ اسے پھر سے بھر دینا۔ سارا دن رونق تو لگی ہی رہتی تھی لیکن اصل میلہ اسکول سے چھٹی کے وقت لگتا تھا۔ عثمان کے لیے بچوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس دھینگا مشقی میں چند نکے بچے چیزیں اڑا بھی لیتے تھے۔ عثمان کو سب خبر ہوتی تھی۔ اللہ نے اسے سخی دل عطا کیا تھا۔ بچوں کی خوشی اور مسکراہٹ میں اسے روح کا سکون ملتا تھا۔ وہ ایسے بچوں کو بعد میں سمجھاتا ضرور تھا لیکن یہ بات بھی سچ ہے کہ چور چوری سے تو جانے پر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ ایک صبح عثمان نیند سے جاگا تو اس کی طبیعت خراب تھی لیکن



والی مصیبت کا احساس کر کے وہ بچہ بہت گھبرا گیا تھا۔ اب وہ فضا میں معلق تھا۔ پھر عثمان نے دیکھا، اس بچے کی پتلون کے پانچوں میں سے پانی کے قطرے نیچے گرنے لگے تھے۔ خوف سے بچے کا شو..... شو نکل گیا تھا۔

”اے..... ہائے..... گندہ بچہ!“ عثمان نے بچے کو چھوڑ دیا۔ وہ بچہ اب طوفان کی رفتار سے بھاگ نکلا تھا اور عثمان بس ہنسنے جا رہا تھا۔ پھر پندرہ منٹ گزر گئے۔ عثمان نے اسی بچے کو دوبارہ دیکھا تھا لیکن اب وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ابو بھی تھا۔ اس نے اپنی آستینیں چڑھا رکھی تھیں۔ آنکھوں میں خون کی لالی موجود تھی۔ جسمانی ساخت اور چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ وہ ایک سخت گیر آدمی ہے۔ عثمان ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ اسے تو پہلے ہی سر درد تھا۔ اب در دوسرا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عثمان کے قریب پہنچ کر وہ آدمی بدتمیزی سے بولا:

”تم نے میرے بچے کو کیوں مارا اور اس سے اس کے پیسے بھی چھین لیے.....“ یہ الزام سن کر عثمان کے تو اوسان ہی ڈھلا ہو گئے۔

”یہ..... ٹھٹ ہے، مجھے بھلا کیا ضرورت ہے بچے کو مارنے کی..... بلکہ یہ بچہ تو میری دکان سے چیزیں چرا رہا تھا۔“

”تمہاری موجودگی میں تمہاری دکان سے چیزیں چرا رہا تھا؟“ اس آدمی کا لہجہ ترش اور سوالیہ تھا۔

”نہیں..... میں دکان پر موجود نہیں تھا۔ اس بچے نے میری غیر موجودگی میں واردات کی ہے۔“ عثمان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس غصیلے آدمی سے کیا کہے۔ اب اس آدمی نے عثمان کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ ”میرا بچہ روتے ہوئے گھر پہنچا ہے۔ ٹھیک ہے میں یہاں مہمان ہوں..... اجنبی ہوں، لیکن دو منٹ میں تمہیں زمین کی دھول چٹا سکتا ہوں۔“ اس آدمی نے اپنے ہاتھ کا گھونسا بنا لیا تھا۔ اب عثمان نفسیاتی طور پر سنبھل چکا تھا۔

”یہ غلط بات ہے..... یہ زیادتی ہے۔ آپ ایک بچے کی بات پر بھروسہ کر رہے ہیں اور میری بات پر کوئی بھروسہ نہیں..... میں سچ کہتا ہوں۔ یہ بچہ میرے بچوں جیسا ہے، میں نے اس کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا۔“

”تو پھر یہ رویا کیوں؟“ اتنا کہہ کر اس آدمی نے عثمان کو ایک گھونسا جڑ دیا۔ عثمان نے وار بچا لیا تھا لیکن اب اس کا بھی دماغ

خراب ہونے لگا۔ شور و غل سن کر لوگ جمع ہو گئے۔ عثمان کو اپنی بات کہنے کے لیے حوصلہ مل گیا تھا۔

”ایک تو آپ کے بچے نے چوری کی ہے، دوسرے آپ ہیں کہ سینہ زوری کر رہے ہیں۔ بچے بڑوں سے سیکھتے ہیں۔ آپ اپنے بچے کو کیا سکھانا چاہ رہے ہیں۔ اگر تو آپ کی نظر میں چوری کرنا اچھی بات ہے تو پھر اپنے بچے کا ساتھ دیجیے اور اگر چوری کرنا غلط عادت ہے تو پھر آپ مجھ سے جھگڑا کرنے کیوں آئے ہیں۔ جانیے یہاں سے اور اپنے دماغ کا علاج کرایئے۔“ عثمان کی بات سن کر اس آدمی کا پارہ اور چڑھ گیا لیکن وہ یہ بات محسوس کر رہا تھا کہ بازار کے تمام لوگ عثمان کے ساتھ ہیں۔

”میں اپنے دماغ کا علاج کراؤں گا اور یاد رکھنا..... میں دوبارہ لوٹ کے آؤں گا..... میں ضرور آؤں گا اور تمہیں مزہ چکھا کر ہی رہوں گا۔“ وہ آدمی اپنے بچے کے ہمراہ عثمان کو دھمکیاں دیتا ہوا واپس لوٹ گیا۔ عثمان یوں جیسے بہت تھکا ہارا ہو اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ چند لمحے پہلے آخر اس کے ساتھ ہوا کیا تھا۔ بازار کے لوگ بھی چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ ان سب کو عثمان کی سچائی پر بھروسہ تھا کیوں کہ وہ سب عثمان کے اخلاق اور رویے سے واقف تھے لیکن اب وہ سب اس اجنبی کو بھی فراموش نہیں کر سکتے تھے جو عثمان کو دھمکی دے کر گیا تھا۔ اس کا غصہ بتا رہا تھا کہ وہ عثمان سے اس کے کسی ناکردہ قصور کا انتقام لینے کے لیے ضرور آئے گا۔ وہ ضرور واپس آئے گا۔

اس آدمی کا نام کاشف تھا۔ وہ یہاں اپنے عزیزوں سے ملنے آیا تھا اور پھر بچے کی وجہ سے اس کا عثمان کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ اسی شام وہ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ واپس اپنے شہر لوٹ گیا تھا لیکن عثمان کا چہرہ اس کی آنکھوں میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ عثمان کی آواز اس کے کانوں میں زہر گھولتی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ بچے اپنے بڑوں سے سیکھتے ہیں۔ اگر میرے بچے نے چوری کی ہے تو کیا میں بھی چور ہوں۔ اس نے میرے بچے کو ہی نہیں مجھے بھی چور کہا ہے۔ میں اس سے انتقام ضرور لوں گا۔ اگر دیکھا جائے تو کاشف احمق تھا۔ وہ جوش میں ہوش کھونے والا آدمی تھا۔ بات کو سمجھنے کے انداز ضرور الگ الگ ہو سکتے ہیں، عثمان کی ایک مثبت بات کو اس نے منفی انداز میں سمجھا تھا اور اب وہ اس سے انتقام لینے کے



ہاتھ لگی ہے لیکن پھر اس کے ارمانوں پر ادس پڑ گئی۔ تمام ورکرز کو ایک بڑے ہال میں جمع کر لیا گیا تھا۔ کاشف قدرے دیر سے ہال میں پہنچا تھا۔

”ماجر کیا ہے؟“ اس نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

”ہم میں سے کسی نے بڑے صاحب کی جیب پر ہاتھ صاف کر ڈالا ہے۔ صاحب کا پرس غائب ہے اور اب یہاں سب کی تلاشی لی جائے گی۔“ یہ بات سن کر کاشف کو تو چکر آ گیا۔ آنکھوں کے سامنے موجود سارا منظر گھوم گیا تھا۔ اس نے چوری نہیں کی تھی لیکن چوری کی ایک قسم کو اختیار ضرور کیا تھا۔ اگر اس کے پاس سے پرس برآمد ہو جاتا تو نوکری بھی جاتی اور حوالات کی ہوا بھی کھانا پڑتی۔ اب اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اس نے اسی راستے پر چلنے کا فیصلہ کیا۔

”بڑے صاحب..... بڑے صاحب! آپ کا پرس میرے پاس ہے۔ یہ مجھے وہاں راہداری میں پڑا ملا تھا۔“ کاشف ورکرز کے ہجوم میں سے باہر نکل آیا اور اب وہ سچ بول رہا تھا۔ بڑے صاحب نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور پھر چلا کر بولا:

”پکڑ لو اس چور کو، پکڑے جانے کے ڈر سے جھوٹ بول رہا ہے۔“ سکیورٹی پر مامور افراد نے کاشف کو دبوچ لیا۔ کسی نے سچ کہا ہے، یہ دنیا مکافات عمل کا میدان ہے۔ زمین کا حساب زمین

طریقوں پر غور کر رہا تھا۔ وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتا تھا۔ یہاں موٹر سائیکلیں تیار کی جاتی تھیں۔ اس کے پاس کوئی بڑا عہدہ نہیں تھا۔ وہ تو یہاں بس مزدوری کرتا تھا۔ لوہے کے پرزوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے اس کا دل بھی اب بس زنگ لگے لوہے کا پرزہ بن کر رہ گیا تھا۔

اس دن وہ فیکٹری پہنچا تو اسے ہر طرف اک ہل چل کے آثار نظر آئے۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ فیکٹری کے مالکان اچانک فیکٹری کا دورہ کرنے آ رہے ہیں۔ وہ بھی ہوشیار ہو گیا۔ ایک ہی وقت میں اس میں دو صفات موجود تھیں۔ یا تو وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش کرتا تھا یا پھر ضرورت سے زیادہ بے وقوف بن جاتا تھا۔ آج ہوشیار بننے کی باری تھی۔ پھر فیکٹری کے احاطے میں ایک کار آ کر رکی۔ دو صاحبان نیچے اترے تھے اور پھر کاشف ان کی جی حضوری میں لگ گیا تھا۔ وہ کتے کی مانند ان کے پیچھے دم ہلاتا پھر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر یہ مالکان خوش ہو گئے تو نوکری کے حوالے سے اس کی ترقی ہو جائے گی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آنے والے لمحات میں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ کاشف ان صاحبان کے پیچھے پیچھے تھا۔ ایک بہت کم ہجوم والی جگہ پر ایک صاحب کو چمینک آئی۔ اس نے منہ صاف کرنے کے لیے رومال نکالا تو کاشف کا دل اچھل کر رہ گیا۔ اس صاحب کا کسی راشی آفیسر کے پیٹ کی مانند پھولا ہوا پرس نیچے گر پڑا تھا۔ بے خیالی میں سب آگے نکل گئے تھے۔ کاشف کے اندر کا بے ایمان آدمی کروٹ لے کر بیدار ہو گیا تھا۔ کاشف نے جھپٹ کر پرس اٹھایا اور اپنے لباس کی اندر والی جیب میں رکھ لیا تھا۔

عثمان نے درست کہا تھا۔ ”بچے بڑوں سے ہی سیکھتے ہیں۔“ کاشف کی تربیت نے اس کے اپنے معصوم بچے کو بھی چور بنا ڈالا تھا۔ اب کاشف بہت خوش تھا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ ایک بہت بڑی رقم اس کے

عثمان نے درست کہا تھا۔ ”بچے بڑوں سے ہی سیکھتے ہیں۔“ کاشف کی تربیت نے اس کے اپنے معصوم بچے کو بھی چور بنا ڈالا تھا۔ اب کاشف بہت خوش تھا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ ایک بہت بڑی رقم اس کے





پر مٹی ہوتا ہے۔ دوزخ بھی یہی ہے، بہشت بھی یہی ہے۔

پہلے تو چوری کے الزام میں کاشف کی اچھی طرح پٹائی کی گئی، پھر اسے پولیس کے سوائے کر دیا گیا۔ نوکری سے بھی جواب ہو گیا اور تین ماہ قید کی سزا بھی ہو گئی۔ تین ماہ کی اس قید کے شب و روز میں کاشف کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال گردش کرتا تھا۔

”میرے ساتھ ہی ایسے کیوں ہوا؟“ پھر اس کی آنکھوں میں عثمان کا چہرہ اتر آتا۔ اس کا عثمان کا گریبان پکڑنا، گھونسا مارنا، بدتمیزی کرنا، دھمکی دینا آنکھوں میں گردش کرنے لگا۔ اب کاشف کو احساس ہونے لگا کہ عثمان کی باتیں درست تھیں۔ بچے بڑوں سے ہی سیکھتے ہیں۔ میرا راستہ غلط تھا تو میں ذلیل ہوا۔ میرے بچے کا بھی وہی راستہ تھا جو میرا راستہ تھا۔ پھر بھی عثمان نے میرے بچے کے ساتھ پیار والا برتاؤ کیا تھا۔ میں اپنی جھوٹی اکڑ میں اس سے جھگڑنے چلا گیا تھا۔ یہ انسان کی فطرت ہے جب وہ اچھا بننے پر آتا ہے تو بہت ہی اچھا بن جاتا ہے۔ پھر وہ دن آ پہنچا جب کاشف کو جیل کی قید سے رہائی ملنے والی تھی۔ اس کے خاندان کے تمام لوگ جیل کے باہر کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر وہ آیا، سب سے ملا۔ سب سے اپنی گستاخیوں کی معافی مانگی۔ اس کی بدلی ہوئی ذہنی کیفیت دیکھ کر سب خوش ہو گئے تھے۔

”چلو اب گھر واپس لوٹ چلتے ہیں۔“ سب ہی اس سے کہہ رہے تھے لیکن وہ رُک گیا۔ اس نے اپنا بچہ گود میں اٹھا لیا تھا۔ ”ابھی ایک کام ادھورا ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ اک انجانی منزل کی طرف قدم اٹھانے لگا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ نئی زندگی شروع کرنے سے پہلے کاشف کا ارادہ کیا ہے۔ وہ تو بس اسے جانتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ اس کی گود میں موجود بچہ ہاتھ ہلا کر سب کو خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ اسکول کے بچوں کو چھٹی ہونے میں ابھی ایک گھنٹا باقی تھا۔ عثمان اپنی دکان پر بیٹھا اکا دکا گاہکوں کو فارغ کر رہا تھا کہ ایک شور سا بلند ہوا۔

”وہ آگیا..... وہ آگیا۔“ شور سن کر ایک لمحے کے لیے عثمان گھبرایا، پھر اس نے دکان سے باہر نکل کر کسی سے پوچھا۔

”کون آگیا.....؟“

”وہی جس کے ساتھ تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔ تم دکان چھوڑ کر بھاگ جاؤ، ہم اسے دیکھ لیں گے۔“ بازار کے چند دکان دار اس کے

پاس کھلی میں آگئے تھے اور اسے فرار ہونے کا مشورہ دے رہے تھے۔

”میں بزدل نہیں ہوں۔“ اتنا کہہ کر عثمان کاؤنٹر کے پیچھے

اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کاشف کو آتے ہوئے دیکھا۔ بچہ اس کی گود میں تھا۔ عثمان سمجھ گیا تھا کہ آج کاشف جھگڑا کرنے نہیں آیا۔ ”پھر وہ کیوں آیا ہے؟“ اب عثمان اس نکتے پر سوچنے لگا تھا۔ بازار کے اتحادیوں کا ایک ہجوم کاشف کے پیچھے تھا۔ آنے والے کے ارادے سے کوئی آگاہ نہیں تھا۔ ان سب کو عثمان کی حفاظت کا خیال تھا۔ پھر کاشف دکان کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔ اس نے بچے کو گود میں سے اُتار دیا۔ بچے کو کچھ یاد نہیں تھا، وہ تو مزے مزے کی چیزیں دیکھ کر بچل گیا تھا۔ اس نے اپنی پسندیدہ چیزیں اٹھا لیں تھیں۔ اب کاشف بولا: ”کتنے پیسے ہوئے۔“

”پچپن روپے۔“ عثمان نے بس مطلب کی بات کی تھی۔ کاشف نے قیمت ادا کر دی تھی، پھر اس نے بچے کو اٹھا لیا اور واپس جانے کے لیے مڑا، پھر سر گھما کر بولا:

”یار اب تو معاف کر دو۔“ یہ کہتے کہتے کاشف سسک پڑا تھا۔ اس جملے میں جانے کیا بات تھی۔ عثمان دوڑ کر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکلا اور کاشف سے لپٹ گیا۔ سب مسکرانے لگے۔ آج ایک بے نام دشمنی کا خاتمہ ہوا اور ایک انوکھی دوستی کا آغاز ہوا تھا۔ یہ بہت خوشی کی بات تھی۔ ☆☆☆

### باب کی نصیحت

ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو سمجھانے کے لیے اسے ایک شیشے کے سامنے کھڑا کر کے پوچھا: ”بیٹا اس شیشے میں تمہیں کیا نظر آ رہا ہے؟“ بیٹے نے جواب دیا: ”ابا جان! دوسری طرف لوگ نظر آ رہے ہیں۔“ پھر باپ نے اسے ایک آئینے کے سامنے کھڑا کیا اور پوچھا: ”اب کیا نظر آ رہا ہے؟“ بیٹے نے جواب دیا: ”ابا جان! اب مجھے اپنا چہرہ نظر آ رہا ہے۔“ باپ نے کہا: ”دیکھو بیٹے، یہ دونوں ہی شیشے ہیں ایک پر چاندی کا طعنے چڑھایا گیا ہے تو اس میں تمہیں اپنا آپ نظر آ رہا ہے اور دوسرے پر کچھ نہیں چڑھایا تو اس میں تمہیں دوسری طرف لوگ نظر آ رہے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر تم شیشہ بن کر رہو گے تو تمہیں دوسرے لوگ نظر آتے رہیں گے لیکن اگر تم اپنے آپ پر سونے چاندی کا طعنے چڑھاؤ گے اور آئینہ بن جاؤ گے تو تمہیں لوگ نظر آنا بند ہو جائیں گے اور صرف اپنا آپ ہی نظر آئے گا۔ اپنا آپ نظر آنے سے انسان میں تکبر بڑھتا ہے، اس لیے ہمیشہ شیشہ بن کر رہنا تاکہ دوسرے لوگوں کے دکھ درد، غم اور تلافیں تمہیں نظر آتی رہیں۔“



# ماں کے



کائنات کے سارے رنگ اکٹھے کر لیے جائیں اور کوشش کی جائے کہ ان سے ماں کی صحیح تصویر کھینچ لی جائے تو رنگوں کا دامن خالی نظر آنے لگے گا۔ شیریں پھلوں کی شیرینی، سارے جذبوں کی گرمی، سورج کی روشنی اور اس دنیا کا سارا حسن ماں کی ہلکی سی مسکراہٹ کے آگے بچ نظر آتا ہے۔

ماں جس کے قدموں تلے جنت ہے، ماں جس کی خدمت کو نبی کریم ﷺ نے جہاد سے افضل قرار دیا اور جس کی وفائیں ہر وقت اولاد کو گھیرے رہتی ہیں، اس عظیم ہستی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے مدرڈے کے حوالے سے عقیدت بھر کے الفاظ حاضر ہیں۔

انسان جوں ہی کائنات ارضی میں اپنی آنکھ کھولتا ہے تو اس میں بولنے کی قوت ہوتی ہے، نہ سمجھنے کی۔ نہ چلنے کی ہمت، نہ سوچنے کی صلاحیت گویا ماں کی ممتا کے سائے تلے حواس خمسہ کو استعمال میں لانے کے لیے ہر انسان کی پہلی درس گاہ ماں کی گود ہوا کوئی ہے۔ نئی نوع انسان کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ دنیا کے مشہور زمانہ سپہ سالاروں کی کامیابی، بلند ہمتی اور بلند حوصلگی کے پس پردہ ماں کی تربیت اور پاکیزہ پرورش کا عمل کارفرما ہوتا ہے۔ اسی لیے نوجوان شاعر وحی شاہ نے کہا۔

یہ کامیابیاں، عزت یہ نام کم سے کم ہے

خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے

ماں کے لفظ میں کتنی حلاوت اور شیرینی ہے۔ یہ تین حرفی لفظ بولتے ہوئے منہ میں شہد سا گھل جاتا ہے۔ لفظ ماں کا سنتے ہی محبت اور شفقت کے سارے معانی نظروں میں گھوم جاتے ہیں۔ ایثار و قربانی کے سارے مفہوم کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر نے کہا تھا: ”ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے۔“  
فروغی نے کہا: ”اگر مجھ سے ماں چھین جائے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔“  
مفکر پاکستان علامہ اقبال نے کہا: ”سخت سے سخت دل کو ماں کی پرہیزگار آنکھوں سے سوم کیا جاسکتا ہے۔“

نادر شاہ نے کہا: ”ماں اور پھول میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا۔“  
یہ ایک حقیقت ہے کہ ماں کی شخصیت میں نہ جانے قدرت نے کیا اثر رکھا ہے کہ اس کا نام سن کر ہر کسی کا دل موم ہو جاتا ہے، چاہے وہ کتنے ہی غصے والا کیوں نہ ہو۔ ماں ایک اتمول موتی اور نور ہے۔ اس کا شفیق اور پر نور چہرہ دیکھتے ہی آنکھوں میں ٹھنڈک سی اتر آتی ہے۔ کسی دانا کا قول ہے: ”تم مجھے اچھی مائیں دو، میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔“

ماں کا ظرف اتنا بڑا ہوتا ہے کہ وہ اولاد کی طرف سے دکھ ملنے کے باوجود اولاد کے بارے میں کچھ بُرا سوچنے کا تصور بھی نہیں کرتی۔ ایک دفعہ بعلی سینا نے کہا: ”اس وقت سے ہمیشہ ڈرو جب



ماں نفرت اور بددعا کے لیے ہاتھ اٹھا دے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کی چوٹی پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرتے تھے۔ اسی دوران ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے کچھ عرصہ بعد وہ کوہ طور کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں انہیں غصیل آواز آئی: ”موسیٰ سنہیل کے آج تمہارے چچے ماں کی دعا نہیں ہے۔“

ماں کی عزت و تکریم کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ تاجدارِ مدینہ حضرت محمد ﷺ اپنی رضائی ماں کا ایسے احترام کرتے کہ جب وہ تشریف لائیں تو آپ ان کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے۔ جہاں تک ادب و احترام کا تعلق ہے، باپ زیادہ حق دار ہے لیکن حسن سلوک اور خدمت کے لحاظ سے ماں کا درجہ بلند ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔“

ایک دفعہ ایک نوجوان حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ آپ اجازت فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں؟“ جواب دیا: ”ہاں!“ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم جہاد پر جانے کی بجائے اپنی والدہ کی خدمت بجالاؤ کیوں کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔“

ماں جو ناگفتہ اور پراگندہ حالات میں بھی معاشرے میں اپنا دامن عفت سنبھالے رکھتی ہے۔ حوادثِ زمانہ سے آشکار ہوتے ہوئے بھی رزقِ حلال سے نسل نو کی پرورش کرتی ہے۔ جس کی راتیں یاد الہی میں گزرتی ہیں اور دن روزوں اور عبادات میں بسر ہوتے ہیں۔ ایسی پاکیزہ مائیں ایسے اطفال کو جنم دیتی ہیں۔ جو معاشرے کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔

• اگر دل کی آنکھ سے دیکھا جائے اور نظر سے ٹٹولا جائے، ہر عظیم شخصیت کے پس پردہ ماں کی قوت دکھائی دیتی ہے جس نے اپنے شب و روز کی محنت سے اس سپوت کو ایسے سانچے میں ڈھالا کہ بیٹا جب بڑا ہوتا ہے تو کوئی صلاح الدین ایوبی کہلاتا ہے اور کوئی طارق بن زیاد، محمد بن قاسم یا حیدر علی۔

میدانِ کارزار ہو یا عدالتِ معاشرت ہو یا سیاست، روحانیت ہو یا مادیت، ہر میدان میں نیک ماؤں کے بچے ایسے جوہر بیکراں میرتے چلے آ رہے ہیں۔ ماں کا خیال آتے ہی ایک لطیف سا رنگا دل کو دھو جاتا ہے۔ دنیا کی تمام خوبصورتی اور بہاریں صرف

ماں ہی کے دم سے ہیں۔ الطافِ حسین جالی کا کہنا ہے:

”ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔“ ماں کا وجود ایک ایسے سایہ وار شجر کی مانند ہوتا ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر انسان تمام دن کی تھکاوٹ دور کرتا ہے۔ اس کی مہربان آغوش اسے تمام پریشانیوں اور دکھوں سے دور کر دیتی ہے۔ بس ماں تیرا کوئی جواب نہیں۔

طارق عزیز نے اپنی کتاب ”ہمزادِ دکھ“ میں سچا شرک کے عنوان سے ایک خوب صورت قطعہ کہا ہے:

دور پرے آسمان تے رب سچے دا ناں  
بٹھاں اس جہان وچ بس اک ماں ای ماں

ماں وہ ہستی ہے جو اپنی خدمات کا کوئی سلسلہ نہیں چاہتی۔ اس کی محبت خلوص سے بھرپور ہوتی ہے۔ ماں ایثار کا مکمل مجسمہ ہے۔ ممتا کی وسعتوں کو کوئی چھو نہیں سکتا اور نہ اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔ ماں وہ ہستی ہے جس کی مسکراہٹ اولاد کی مسکراہٹ سے وابستہ ہے۔

ماں کی عظمت و بزرگی جتنی بھی بیان کی جائے، اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اولاد کے لیے ماں کا حق ادا کرنا بہت ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اگرچہ تمام مائیں مثالی نمونہ ہوتی ہیں، تاہم کچھ مائیں نمایاں خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔ ایک مثالی ماں وہ ہے جس کی آغوش میں بچے کی بہترین تربیت کا آغاز ہو جائے۔

اسلام نے ماں کو جتنا مقام دیا ہے، اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ جنت تمہاری ماں کے قدموں تلے ہے۔ ایک اور جگہ جب ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ سب سے زیادہ حسن سلوک کا حق دار کون ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری ماں، یہاں تک کہ تین مرتبہ دریافت کرنے پر بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری ماں۔ اس روایت سے ماں کی عزت و عظمت مزید بڑھ جاتی ہے۔

ساتھیو! ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی ماں کی جتنی ہو سکے، خدمت کریں کیوں کہ ماں وہ واحد ہستی ہے کہ جس کا دنیا میں کوئی ثانی نہیں۔ اگر ہم دنیا و آخرت میں کام یابی چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ماں کو خوش رکھیں۔ اس کا حکم مائیں اور تابع دار رہیں کیوں کہ اسی میں ہماری کام یابی ہے۔ دکن نے کیا خوب کہا ہے:

”ماں کی دعا جنت کی ہوائ“ ☆☆☆



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



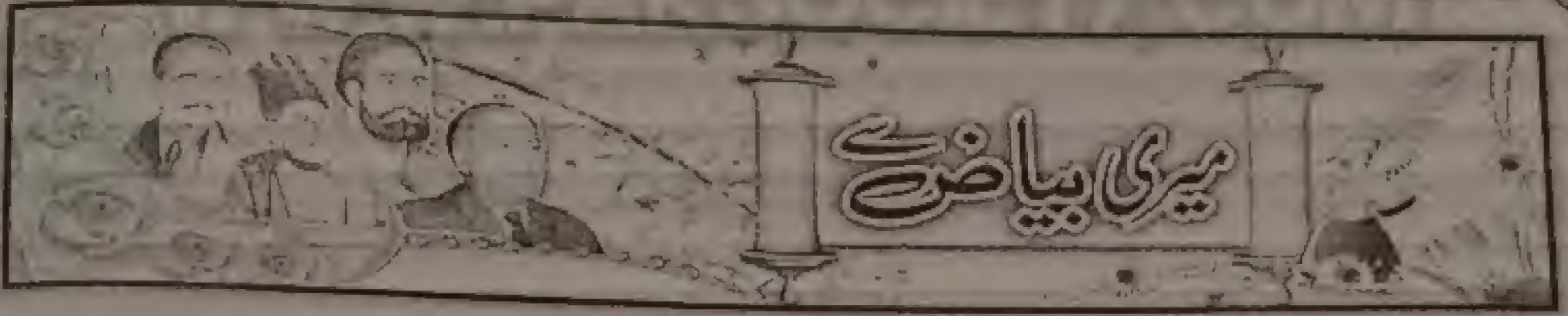
Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)





مرا طریق امیری نہیں ، فقیری ہے  
خودی نہ بچ ، غربی میں نام پیدا کر  
(افراج اکبر، لاہور)

رہ گئی رسم ازاں ، روح بلالی نہ رہی  
فلسفہ رہ گیا ، تلقین غزالی نہ رہی  
☆

مسلم ہے تو ، انداز تیرا بدل کیوں نہیں جاتا  
اٹھ اٹھ کر گرتا ہے ، خدا را سنبھل کیوں نہیں جاتا  
(ابرار الحق، رحمان راجہ جنگ)

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے  
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو  
☆

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت  
جتنا جس کا ظرف ہے ، اتنا ہی وہ خاموش ہے  
(فتح محمد شارق، نوشہرہ وادی سون)

لا کے ماتھے پہ شکن ، وقت سے سمجھوتہ کیا  
غم کی تاریخ کے ہم اتنے گناہ گار ہوئے  
(مریم نایاب، نوشہرہ وادی سون)

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی  
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندگی  
(محمد احمد خان غوری، بہاول پور)

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا  
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا  
(انعم محمد حنیف، کراچی)

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو  
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے  
(محمد عثمان علی، بھکر)

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کے  
اس ملک کو رکھنا میرے بچوں سنبھال کے  
(ماریہ عبدالناصر، کلور کوٹ)

اک نام کیا لکھا تیرا ساحل کی ریت پر  
پھر ساری عمر ہواؤں سے میری دشمنی رہی  
(ثمرہ طارق بٹ، اروپ)

ہزاروں سال زگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے  
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا  
(کون فاروق، گوجرانوالہ)

کس آسانی سے وہ ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیتا ہے  
خوشی سے بولنا جس شخص کا معمول ہو جائے  
(کلمہ زہرہ، لاہور)

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی  
نہیں ملتا یہ گوبر بادشاہوں کے خزینوں میں  
(ایمان زہرہ، لاہور)

قتیل مجھ کو یہی سکھایا مرے نبیؐ نے  
کہ فتح پا کر بھی دشمنوں کو سزا نہ دینا  
(علی عمران، لاہور)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے !  
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے  
(مریم راجہ، راول پنڈی)

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا  
لبو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ  
(دشہ خان، لاہور)

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا  
وہی ہے مملکت صبح و شام سے آگاہ  
☆

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے  
دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے  
(عدن سجاد نضب، جھنگ)

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے  
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات  
☆



# پیارے اللہ کے پیارے نام



اَلْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ (ہر چیز کا نگران و ذمے دار)

اَلْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ تمام چیزوں کا مالک اور اُن کا نگران ہے۔ یہ مبارک نام قرآن کریم میں صرف ایک جگہ آیا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ آپ بھی پڑھیے۔ ”اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ مصیبت کا ارادہ فرماتے ہیں تو کوئی اسے دور نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی والی نہیں ہوتا۔“ اس لفظ والی سے ہی مولیٰ بنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ دنیا کا جو نظام چل رہا ہے، اس سارے نظام کی نگرانی اور حفاظت اسی کے ذمے ہے۔ ہم جو کام کاج کرتے ہیں وہ اس میں ہماری مدد فرماتے ہیں۔

چھوٹی بات

”بریرہ بیٹی! یہاں آؤ اور دودھ کو دیکھو، جب اُبلنے لگے تو چولہا بند کر دینا۔“ طاہرہ یہ کہہ کر روٹی کے سوکھے ٹکڑے اکٹھے کر کے پوری میں ڈالنے چلی گئیں۔

بریرہ دودھ کے قریب بیٹھ کر پہلے تو بڑے غور سے دیکھتی رہی، پھر وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر شاپنر کے ساتھ پنسل تراشنے لگی اور اس کی توجہ دودھ سے ہٹ گئی۔ جب دودھ اُبل کر نیچے بہنے لگا تو وہ بوکھلا گئی۔ اس بوکھلاہٹ میں چولہا بھی جلدی بند نہ ہو سکا اور اچھا خاصا دودھ نیچے فرش پر بہہ گیا۔

”اُف..... اوہو! بیٹی تم نے دودھ اُبلتے ہی چولہا آہستہ کیوں نہیں کیا یا پھر بند کر دیتی۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمت ضائع ہو گئی۔“

”چلو جلدی سے پونچھا پکڑا لیے۔“ طاہرہ نے پونچھے سے دودھ

نچوڑ کر ایک ٹوٹی پیالی میں ڈال دیا۔ ”چلو یہ پیالی اوپر چھت پر رکھ آؤ، بلی پی لے گی۔“

بریرہ نے آدھے گھنٹے کے بعد چھت پر پیالی دیکھی تو وہ خالی تھی۔ بلی سارا دودھ پی گئی تھی۔ طاہرہ آج قدرے پریشان رہی کہ بریرہ کو جو ذمہ داری سونپی گئی تھی، اس نے اسے اچھے طریقے سے ادا نہیں کیا۔ کہیں، ایسا نہ ہو کہ یہ عادت جڑ پکڑ جائے۔

”بریرہ بیٹی! یہ آئیں کریم لے لیں۔“

رات کو کھانے کے بعد بریرہ کو امی نے اس کی مزے دار آئیں کریم کھلائی۔ ”بیٹا! آج دودھ کیسے گر گیا تھا؟“

”امی! میں پنسل شارپ کرنے لگ گئی تھی۔“ بریرہ نے جواب دیا۔ ”دیکھو بیٹی، جو کام جس وقت دیا جائے تو اسے پوری ذمہ داری اور نگرانی سے کرتے ہیں۔ اس طرح جو کام ہو گا وہ صحیح ہو گا۔“

”امی جان، آئندہ خیال رکھوں گی۔“

”شاباش! اچھے بچے ایسے ہی کرتے ہیں۔“ اس حوصلہ افزائی پر وہ بہت خوش ہو گئی اور پھر کچھ سوچ کر طاہرہ اسے سمجھانے لگی، کیوں کہ وہ آج اسی واقعے کو لے کر بریرہ کو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور اس کی قدرت بڑی آہستہ سے سمجھا سکتی ہے۔

”بیٹی! دودھ گرنے سے تم نے ایک سبق حاصل کیا؟“

”امی وہ کیا؟“ بریرہ نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

”وہ سبق یہ ہے کہ دودھ کی نگرانی میں ذرا سی کوتاہی ہوئی تو زیادہ دودھ بہہ گیا۔ اسی طرح یہ ساری دنیا کا نظام ہے۔ اس کی نگرانی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ اگر اسے نیند آگئی یا ذرا سی دیر کے لیے اُدھ آ



جائے تو یہ ساری دنیا تباہ ہو جائے۔ وہ سارے انسانوں کے کاموں کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس لیے ہمیں اچھے اچھے اور نیکی کے کام کرنے چاہیے۔ ”بریرہ بڑے غور سے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ ”تو پھر آج سے تم بھی ہر کام اچھے طریقے اور ذمہ داری سے کرو گی؟“

”جی ہاں! ان شاء اللہ تعالیٰ۔“ بریرہ نے معصومانہ انداز میں کہا۔ یہ جواب سن کر ماں مسکرائی۔

### الْمُتَعَالِ جَلَّ جَلَالُهُ (برتر)

الْمُتَعَالِ جَلَّ جَلَالُهُ ہر چھپی اور کھلی بات کو جاننے والا ہے۔ سب سے بڑا اور بلند مرتبے والا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں ”اللہ تعالیٰ“ تو یہ لفظ تعالیٰ ”الْمُتَعَالِ“ سے ہی بنا ہے۔ حضور ﷺ کو کافر لوگ کہتے تھے: اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بھی ہیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود اپنی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”وہ اللہ بہت بڑے ہیں اور ان کی شان بہت اونچی ہے۔“ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے اور ہر شے سے برتر اور بلند مرتبے والا ہے۔

### افضل مخلوق

انسان کو اللہ تعالیٰ نے سب سے افضل مخلوق بنایا ہے۔ یہ سارے حیوانات، پودے، درخت، پتھر، چرند، پرند اور باقی ساری مخلوق اس سے کم درجے کی ہے۔ جس طرح یہ انسان ہر مخلوق سے افضل ہے، اسی طرح اس کے کام بھی ایسے ہونے چاہئیں جو افضل اور اعلیٰ ہوں۔ جو اسے دوسری مخلوق سے بلند بنائیں۔

ہم وردی..... سچ بولنا..... اچھے اخلاق سے پیش آنا..... دوسرے بھائیوں کا خیال کرنا..... وقت پر نماز پڑھنا..... تکلیف دینے والی چیزوں کو راستے سے ہٹانا..... والدین کا کہنا ماننا..... اساتذہ کرام کا ادب کرنا..... بہن بھائیوں کی ضروریات کا خیال رکھنا..... وقت پر اسکول جانا..... دل لگا کر پڑھنا..... آج کا کام کل پر نہ ملانا۔

ان سارے اچھے کاموں سے یہ اچھی صفات والا انسان کہلائے گا۔

### چند جملے

”ہر بچہ دس سطریں لکھے اور ان سطروں میں جس نے سب سے اچھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کی ہو گی، اسے انعام ملے گا۔“ سر احسان نے کلاس میں داخل ہوتے ہی سلام کرنے کے بعد کہا۔

آج سر رفیق صاحب اسکول نہیں آئے تھے تو پرنسپل صاحب نے

ان کا متبادل پیریڈ چھٹی کلاس میں لگا دیا۔ سر احسان صاحب نے بچوں کے وقت کو قیمتی بنانے کے لیے ایک عجیب مقابلے کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ اعلان سنتے ہی ہر بچہ دس سطروں پر مشتمل اللہ تعالیٰ کی تعریف لکھنے لگا۔ پندرہ منٹ تک سب بچے احسان صاحب کے پاس کاپیاں جمع کروا چکے تھے۔ وہ ایک ایک کاپی چیک کر کے میز پر رکھتے گئے۔

”یہ کس کی کاپی ہے؟“ سب کاپیاں چیک کرنے کے بعد انہوں نے پوچھا۔

بچوں کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ کون اول آتا ہے۔

”سر! یہ کاپی میری ہے؟“ حامد نے کہا۔

اول انعام کے مستحق حامد ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بہت اچھی تحریر کی ہے اور پھر اسے انعام میں ایک خوب صورت پین دیا اور باقی سب بچوں کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ ”سر! یہ کاپی پڑھ کر سنائیے۔“ عاطف نے خواہش ظاہر کی۔ ”شاباش!“ سر احسان نے عاطف کی اس فرمائش کو بہت پسند کیا۔ سب بچے خاموشی کے ساتھ سننے لگے۔ حامد نے اللہ تعالیٰ کی تعریف یوں کی تھی:

1- تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہے، اسے کوئی یاد کرے یا نہ کرے، مگر وہ کسی کو نہیں بھولتا۔

2- جو اس اللہ سے اُمیدیں وابستہ کرتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرتا۔

3- جو اس اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

4- جو اس اللہ پر احسان کرے تو وہ احسان کا بدلہ احسان سے دیتا ہے۔

5- وہ ابتدا اور انتہا سے پاک ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

6- اسی اللہ کے لیے ساری تعریف ہے، جو صبر کا بدلہ نجات سے دیتا ہے۔

7- اسی اللہ کے لیے ساری تعریفیں ہیں، جو پریشانی کے بعد تکلیف دور کرتا ہے۔

8- وہ اللہ ہی سب کو روزی عطا فرماتا ہے۔

9- وہ اللہ ہی دعائیں قبول فرماتا ہے۔

10- وہ اللہ ہی سب آرزوؤں کا مرکز اور ہر تسلی اور ڈھارس کا سبب ہے۔

سر احسان صاحب نے یہ پیارے تعریفی جملے پڑھ کر سنائے جو اللہ تعالیٰ کی تعریف میں لکھے تھے لیکن حامد آئندہ ایک بات کا دھیان رکھیں۔ جب بھی ”اللہ“ لکھیں تو اس کے ساتھ ”تعالیٰ“ بھی لکھیں، یہ ادب ہے۔ اسی وقت حامد نے ہر اس جگہ جہاں ”اللہ“ لکھا تھا ”تعالیٰ“ کا اضافہ بھی کر دیا۔ اب ہر جملہ ”اللہ تعالیٰ“ کے ساتھ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔

☆☆☆



ماہرہ ملک میں فیڈریشن اور ایسوسی ایشنوں کی سرگرمیاں کم ہیں۔ قومی کراٹے مقابلے بھی اتنی تعداد میں نہیں ہو رہے ہیں جو ہونے چاہئیں۔ اگر مقابلوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے اور قومی شہسپان کو بھی اہمیت دی جائے تو نوجوانوں میں کراٹے سیکھنے کا جذبہ بڑھے گا۔

مارشل آرٹ میں مختلف انداز کے مقابلے ہوتے ہیں، ان میں تائی کوانڈو، جوڈو، کراٹے، دوستو اور دیگر انداز شامل ہیں۔ ان کی فیڈریشن علیحدہ ہیں اور قوانین میں

بھی الگ الگ ہیں۔ سب کا مقصد مارشل آرٹ کو فروغ اور ترقی دینا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں یہ کھیل صدیوں پرانا ہے۔ جاپان میں 1882ء میں کراٹے کا آغاز ہوا۔ برما میں کنگ فو اور جوڈو کراٹے سو سال سے زائد عرصے سے کھیلے جا رہے ہیں۔ کوریا، امریکا اور چین میں بھی یہ کھیل خاصا پرانا ہے۔ وہاں ایک نظام کے تحت مارشل آرٹ کے ایونٹس ہوتے ہیں۔ پاکستان میں 45.40 سال سے یہ کھیل متعارف ہوا ہے۔ اس کے باوجود پاکستان نے ایشیائی اور ساؤتھ ایشین کھیلوں میں کراٹے میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر کے اعزازات حاصل کیے۔ سیف گیمز میں بھی پاکستان نے ایک مرتبہ اس ایونٹ میں نو گولڈ میڈلز جیتے تھے۔ یہ پاکستان کی بڑی کامیابی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں کراٹے کو وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے جس کی ضرورت ہے۔ کراٹے کا زکو ملازمتیں نہیں دی جاتی، حکومت کی جانب سے گرانٹ کم ملتی ہے۔

اگر پاکستان میں مارشل آرٹ کی ایسوسی ایشنز اور فیڈریشن کے عہدے دار مخلص ہو کر کام کریں تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں کراٹے اور مارشل آرٹ مقبول ترین کھیل بن جائیں گے۔ مثبت نتائج کے حصول کے لیے حکمت عملی تبدیل کرنا ہوگی۔ کھلاڑیوں کے لیے کوچنگ کمپ لگائے جائیں، اکیڈمیاں قائم کی جائیں۔ جونیئر اور سینئر سطح پر ٹورنامنٹس کی شرح میں اضافہ ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر پاکستان مارشل آرٹ میں قابل قدر نتائج حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ غیر ملکی ٹیموں کے ساتھ مقابلے کے ذریعے



جوڈو کراٹے دنیا کے مقبول کھیلوں میں شامل ہے۔ اوپیکس کے اس ایونٹ میں بڑی تعداد میں مختلف ملکوں کے کراٹے کاڑ حصہ لیتے ہیں۔ پاکستان جوڈو فیڈریشن اور پاکستان کراٹے فیڈریشن کا سابقہ نام پاکستان جوڈو اینڈ کراٹے بورڈ تھا۔ 1980ء کی دہائی میں ملک بھر میں کراٹے کا کھیل بہت مقبول ہو چکا تھا، تاہم جوڈو کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی، جس کی اس کھیل کو ضرورت تھی۔ پھر پاکستان جوڈو فیڈریشن اور پاکستان کراٹے فیڈریشن کے نام سے دونوں کھیلوں کی الگ الگ فیڈریشنز وجود میں آئیں۔

پاکستان میں جوڈو کراٹے کے کھیل کو متعارف کرانے کا سہرا محمد اشرف طائی کے سر ہے جن کے آباء و اجداد کا تعلق حاتم طائی قبیلے سے تھا۔ اشرف طائی 25 مئی 1954ء کو برما میں پیدا ہوئے، جہاں سے ان کے والدین نے مشرقی پاکستان ہجرت کی۔ محمد اشرف طائی نے مشرقی پاکستان میں گریجوایشن تک تعلیم حاصل کی، تاہم انہوں نے برما میں کراٹے سیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اشرف طائی نے 1971ء میں پاکستان آ کر یہاں ہل پارک، کراچی کے قریب کراٹے کلب کی داغ بیل ڈالی اور یوں انہیں پاکستان میں کراٹے کے بانی ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ پاکستان میں قومی سطح پر کراٹے کے ایونٹس نہ ہونے کے برابر ہیں، حالاں کہ کراٹے کے کلبوں میں نوجوان پریکٹس کرتے نظر آتے ہیں مگر بد قسمتی سے پاکستان میں کراٹے کے کھیل کو وہ کوریج نہیں دی جا رہی ہے جو کرکٹ، ہاکی، اسکواش یا فٹ بال کو دی جا رہی ہے۔ الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا پر اس کو وہ اہمیت نہیں مل رہی جس کا یہ کھیل حق دار ہے۔ اس کے



اپنے کرائے کار کی بہتر انداز میں تربیت حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان کی صلاحیتوں میں اضافے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں کھیل کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کیے جائیں۔ پاکستان میں مارشل آرٹ کے شعبے میں ٹیلنٹ کی کمی نہیں، سہولتوں کا فقدان بہت زیادہ ہے۔

ماضی کے مقابلے میں آج جوڈو کرائے کے حوالے سے لوگوں کا رجحان تبدیل نہیں ہوا بلکہ ماضی میں جوڈو کرائے سیکھنے والے اسے کھیل کے طور پر سیکھتے تھے، اب اس میں فٹنس کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ جوڈو کرائے سیکھنے والا ہر کھلاڑی اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کی فٹنس بہتر ہو جائے۔ اس کا جسم خوبصورت بن جائے، اس کا پیٹ کم ہو جائے تاکہ وہ جاذب نظر لگنے لگے۔ یہ رجحان پاکستان میں ہی نہیں، دنیا کے دیگر ملکوں میں بھی نظر آ رہا ہے۔ امریکا اور یورپ کے کئی ملکوں میں دل کے مریضوں کے لیے ”کارڈک فائٹ“ ہوتی ہے، جس کے دوران انہیں دل کی دھڑکنوں کو بہتر بنانے کے لیے کرائے کے انداز میں ایکسرسائز کرائی جاتی ہے۔ کلک باکسنگ مقابلے کرائے جاتے ہیں۔ مارشل آرٹ کے ذریعے مختلف بیماریوں کا علاج تلاش کیا جا رہا ہے۔

ایک زمانے میں کرائے ماسٹر کو آٹھ دس سال کی سخت ٹریننگ کے بعد بلیک بیلٹ ملتی تھی، مگر اب بلیک بیلٹ زیادہ محنت و مشقت کے بغیر مل جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کرائے فیڈریشن کی توجہ اس جانب نہیں، جگہ جگہ جوڈو کرائے کلب قائم ہو چکے ہیں، جہاں چند ہزار کے عوض کرائے کی سب سے بڑی بلیک بیلٹ دے دی جاتی ہے۔ ماضی میں آٹھ دس سال کی تربیت کے بعد کرائے ماسٹر کا فیڈریشن ایسوسی ایشن کی سطح پر قائم کردہ کمیٹی کے سامنے ٹیسٹ ہوتا تھا، جس کے بعد اس کو بلیک بیلٹ دی جاتی تھی۔ اس حوالے سے اشرف طائی کا کہنا ہے۔ ”میں نے نو برس کی عمر میں تربیت شروع کی تھی اور سترہ سال کی عمر میں بلیک بیلٹ کا حق دار بنا۔ اس کے حصول کے لیے دن رات محنت کرنا پڑی، تحریری اور عملی امتحان کے مراحل سے گزر کر یہ مقام حاصل کیا۔“

اگر دیکھا جائے تو دنیا کے تمام کھیلوں کے مقابلے میں مارشل آرٹ میں سب سے زیادہ ڈسپلن اور عزت کا سبق ملتا ہے۔ جس قدر نظم و ضبط اس کھیل کے کھلاڑیوں میں ہوتا ہے، دوسرے کھیل میں ہرگز نہیں ہے۔ مارشل آرٹ کے ذریعے نوجوانوں کی ذہنی و جسمانی نشوونما کی جاتی ہے۔ ان کے ذہن کو منفی سرگرمیوں، انتہا پسندی اور احساس کتری سے بچایا جاسکتا ہے۔ اگر ہر اسکول اور

دینی مدرسے میں مارشل آرٹ کو لازمی قرار دیا جائے تو بچے اور نوجوان ایک بہتر انداز میں سامنے آئیں گے۔ مارشل آرٹ میں بچے کو استاد اور ماں باپ کے احترام کا پیغام دیا جاتا ہے، تاکہ وہ خود کو قابل فخر نوجوان ثابت کر سکے۔ جوڈو کرائے کو پاکستان میں روشناس کرانے والے اشرف طائی کی خدمات سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ اشرف طائی بچپن سے ہی کھیلوں میں شوق سے حصہ لیتے تھے۔ ابتدائی مرحلے میں ریس کے مقابلے میں حصہ لیا، بعد میں کرکٹ شروع کر دی۔ فٹ بال کا بھی انہیں شوق تھا۔ نو برس کی عمر میں مارشل آرٹ کی تربیت حاصل کرنا شروع کر دی۔ ان کے استاد ڈی پاؤلین تھے۔ اشرف طائی سینٹ تھامس اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اس کے بعد چناگانگ کے گورنمنٹ کمارس کالج کا حصہ بن گئے۔ وہاں سے بی کام کر کے گریجوایشن کی ڈگری حاصل کی۔ اسکول اور کالج کے زمانے میں کھیلوں میں بھرپور انداز میں شرکت کی۔ جہاں تک مارشل آرٹ کی جانب آنے کا تعلق ہے تو برما میں کرائے نام کھیل کی طرح مقبول ہے۔

کرائے کے ذریعے نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے۔ مار پیٹ کے بجائے سیلف ڈیفنس کے لیے بھی یہ بڑا موثر ہتھیار ہے۔ برما میں بدھ مت کے پیروکار اسے مذہبی نقطہ نظر سے بھی بہت اہمیت دیتے ہیں۔ برما میں جوڈو کرائے کو قومی کھیل کی سی حیثیت حاصل ہے۔ اشرف طائی نے وہاں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ پاکستان آئے تو یہاں مارشل آرٹ کا کوئی تربیتی ادارہ نہیں تھا۔ انہوں نے اس کھیل کو فروغ دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے ابتدا میں صرف پانچ چھ طالب علموں کے ساتھ مارشل آرٹ کا آغاز کیا۔ آج ان کے لاکھوں شاگرد موجود ہیں۔ اشرف طائی نے پاکستان کی دو فلموں ”شیش ناگ“ اور ”پیسہ بولتا ہے“ میں کام کیا۔ ان کا کردار کرائے ماسٹر کا تھا۔ انہیں دنیا بھر میں بے شمار ایوارڈ ملے۔ امریکا کے کھیلوں کا سب سے بڑا اعزاز ہال آف فیم ملا۔ چین، جرمنی، برطانیہ، اٹلی، جاپان سمیت کئی ملکوں نے کھیلوں میں خدمات پر ایوارڈ دیئے۔ 1977ء میں اشرف طائی کو کرائے کا سب سے بڑا بین الاقوامی اعزاز گرینڈ ماسٹر ملا۔ 2004ء میں ان کی کرائے میں شاندار خدمات پر حسن کارکردگی کا صدارتی ایوارڈ سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے دیا۔ اشرف طائی نے پاکستان میں کرائے کے فروغ کے لیے جو خدمات پیش کیں، وہ ناقابل فراموش ہیں۔ قومی سطح پر جوڈو کرائے کو فروغ ملنا چاہیے تاکہ نوجوان مثبت سرگرمیوں کی جانب مائل ہوں۔ ☆☆





# کیا آپ جانتے ہیں؟

## 1- چاند ہمارے ساتھ کیوں چلتا ہے؟

جب ہم ٹرین یا موٹر کار میں سفر کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ارد گرد کی ہر چیز پیچھے کی طرف بھاگ رہی ہے۔ درخت، مکانات، بجلی کے کھمبے مخالف سمت میں دوڑے جا رہے ہیں لیکن جب ہم چاند کی طرف دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا ہے، پیچھے کی طرف نہیں بھاگ رہا! اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ چاند بھی درختوں اور کھمبوں وغیرہ کی طرح پیچھے کی طرف کیوں نہیں بھاگتا؟ ہمارے ساتھ ساتھ کیوں چلتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چاند ہماری زمین سے تقریباً 239,000 میل دور ہے اور اس کا قطر (ڈایا میٹر) 2,160 میل ہے لیکن چوں کہ وہ ہمیں بہت قریب اور بڑا معلوم ہوتا ہے، اس لیے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ 239,000 میل بہت بڑا فاصلہ ہے اور اس فاصلے کے مقابلے میں جو ہماری موٹر کار یا ٹرین چند منٹ میں طے کرتی ہے، یہ فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ چناں چہ جب ہماری گاڑی سیدھی اور لمبی سڑک پر چل رہی ہوتی ہے تو وہ زاویہ (Angle) جس سے ہم چاند کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، تبدیل نہیں ہوتا اور جب کہ ہمیں اپنے ارد گرد کی چیزیں پیچھے بھاگتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ چاند کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

## 2- مکڑی اپنے جالے میں خود کیوں نہیں پھنستی؟

مکڑی کے جسم میں ننھی ننھی نلکیاں یا ٹیوبیں ہوتی ہیں جنہیں تار بنانے والے عضو (Spinnerets) کہتے ہیں۔ ان ٹیوبوں میں

سے رقیق مادہ نکلتا ہے جو ہوا نکلنے سے سخت ہو کر تار یا دھاگا بن جاتا ہے۔ مکڑی انہی دھاگوں سے جالا بنتی ہے۔ یہ دھاگے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک دھاگا لیس دار ہوتا ہے۔ ننھی، مجھڑ اور دوسرے کیڑے مکوڑے اسی دھاگے میں پھنستے ہیں۔ دوسرا دھاگا لیس دار نہیں ہوتا۔ مکڑی جالے پر چلتی ہے تو اسی دھاگے پر پاؤں رکھتی ہے، اس لیے وہ جالے میں نہیں پھنستی۔

## 3- بلب کا تار پگھلتا کیوں نہیں؟

جب کوئی دھات گرم ہو جاتی ہے تو دکنے لگتی ہے اور پھر پگھل جاتی ہے۔ بجلی کے بلب کے اندر باریک سا ایک تار ہوتا ہے جب اس میں بجلی کا کرنٹ دوڑتا ہے تو وہ اس کی حرارت سے گرم ہو کر چمکنے لگتا ہے پگھلتا نہیں۔ کیوں؟ جواب یہ ہے کہ بلب کے اندر ایک تار خاص دھات سے بنایا جاتا ہے جو تمام دھاتوں سے سخت دھات ہے۔ اسے ٹنگسٹن (Tungston) کہتے ہیں۔ یہ دھات ریاست ہائے متحدہ امریکہ، روس، برما، کوریا، چین اور جنوبی امریکا میں پائی جاتی ہے۔

## 4- تیل میں پانی حل کیوں نہیں ہوتا؟

تیل پانی میں اس لیے حل نہیں ہوتا کہ ان دونوں کے مالیکیول (وہ ننھے ننھے ذرے جن سے تیل اور پانی بنے ہیں) ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ تیل کے مالیکیول پانی کے مالیکیولوں سے بہت بڑے ہوتے ہیں اور ان میں ایٹم بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ پانی اور تیل کے برخلاف بہت سے سیال (Liquids) ایک دوسرے میں حل ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان کے مالیکیول ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔





ایک تیز رفتار  
پُر وقار سواری

# گھوڑا

ہوتے ہیں۔ عام فخر زگدھے اور مادہ گھوڑے کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں جو مضبوط جسم کے ہوتے ہیں۔ ہنی فخر نایاب ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں گھوڑے کا ذکر بہ کثرت ملتا ہے۔ یعنی سورۃ الانفال میں گھوڑا بطور سامانِ دفاع، سورۃ النحل میں بطور سواری، سورۃ ص میں بطور مالِ غنیمت کے گھوڑوں کی منصفانہ تقسیم، سورۃ الحدید میں بطور تیز رفتار گھوڑوں کی قسم کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کی دوڑ کروائی، حضرت سلیمانؑ کی گھوڑوں اور جانوروں میں دلچسپی معنی خیز ہے جس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

قیمتی جانور، اصل گھوڑے اور ہر قسم کا مال و دولت اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتیں ہیں۔ ان کی ملکیت سے انسان میں غرور و تکبر آ جاتا ہے اور یادِ الہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ ناشکری کی علامت ہے بلکہ ان نعمتوں اور آسائشوں کے عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ کے شکر اور عبادت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

گھوڑوں میں صحت مند دلچسپی، گھوڑے پالنا، ان کی افزائش نسل کرنا، ان کی دوڑیں لگوانا، انہیں سیر و تفریح اور کام کاج میں استعمال کرنا، ان کی مناسب دیکھ بھال کرنا، ان سے شفقت برتنا، یہ اچھا اور جائز ہے۔ البتہ ان پر شرطیں لگانا اور جوا کھیلنا اسلام میں ممنوع ہے۔ اسی طرح پالتو جانوروں کی دیکھ بھال نہ کرنا اور ان پر ظلم کرنا بھی قطعی مناسب نہیں۔

☆☆☆

گھوڑے اور انسان کا تعلق برسوں پرانا ہے۔ سیر و تفریح اور مفید کام کاج کی خاطر پالنے کے لیے بہترین چوپایہ ہے۔ ”پہلے دوڑو، پھر سوچو“ گھوڑے کی ایک فطری جبلت ہے، جس سے گھوڑے سدھانے والے بڑا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ گھوڑی ہر سال ایک بچہ دیتی ہے گھوڑوں کی پرورش میں عرب کے صحرائی بدو بہت شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ گھوڑا ایک معاشرت پسند حیوان ہے۔ گھڑ سواری کا ذکر بہت قدیم زمانوں سے چلا آ رہا ہے۔ پرانے بادشاہوں، فوجوں اور شکاریوں کی گھڑ سواری کے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں۔ مشہور ہندوستانی مسلمان بادشاہ شیر شاہ سوری نے گھوڑے کو ڈاک کے نظام کے لیے استعمال کیا۔ آج بھی ہم موٹر کاروں اور متعدد مشینی انجنوں کی طاقت اور صلاحیت متعین کرنے کے لیے ہارس پاور (اپنی طاقت) کا یونٹ استعمال کرتے ہیں۔ گھوڑے کی متعدد اقسام ہیں۔

ترپان نسل کے گھوڑے چھوٹے قد کے ہوتے ہیں جنہیں ٹو بھی کہا جاتا ہے۔ ابتداء میں انہیں مشرقی یورپ اور یوکرین میں پالا گیا۔ یہ گھوڑے اب منگولیا، مانچوریا، یورپ، مغربی ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور آسٹریلیا میں عام پائے جاتے ہیں۔ گرم خون والے گھوڑوں کی ٹانگیں لمبی اور مضبوط ہوتی ہیں۔ سرد خون والے گھوڑے زیادہ تر بھاری بھر کم جسم اور ٹانگیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔

گھوڑوں اور گدھوں کے اختلاط سے عام فخر اور ہنی فخر پیدا





”حمید کے ابو“ اقبال کی بیوی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا تو اقبال نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اقبال کو حمید کے ابو ہی کہہ کر پکارتی تھی۔ ”کیا بات ہے بانو! کیا کچھ چاہیے؟“ اقبال نے پوچھا۔ ”ہاں! گھی ختم ہو گیا ہے، وہ لے آئیں۔“ بانو نے جواب دیا۔ ”اوہ! آج تو مہینے کی آخری تاریخ ہے اور میرے پاس پیسے بھی ختم ہو چکے ہیں۔“ اقبال نے کہا۔

”آپ کا نصیب کریانہ سٹور پر ادھار کا کھاتہ تو ہے۔ آپ ادھار گھی لے لیں۔“ بانو نے جواب دیا۔ ”ٹھیک ہے، میں گھی ادھار لے آتا ہوں۔“ اقبال نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحوں کے بعد وہ گھر سے نکل کر نصیب کریانہ سٹور کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ سٹور اس کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ دکان کے اوپر ایک نیون سائن بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ”نصیب کریانہ سٹور“ نمایاں الفاظ میں لکھا ہوا تھا۔ وہاں دو گاہک پہلے سے موجود تھے۔ اقبال اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ جب دونوں گاہک اپنا اپنا سامان لے کر چلے گئے تو اقبال، سٹور میں داخل ہو گیا۔

”ارے، اقبال میاں! کیا حال ہے؟ کیا آج فیکٹری سے چھٹی کر لی ہے؟“ مراد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مراد بھائی! کیا تم بھول گئے ہو کہ آج اتوار ہے اور اتوار کو

نصیب کریانہ سٹور رحیم آباد محلے کا بہت پرانا اور مشہور سٹور تھا۔ اس سٹور کا مالک مراد علی پڑھا لکھا، ایمان دار اور نیک آدمی تھا۔ اس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ محلے میں لوگ اس سے ادھار چیزیں لیتے تھے تو وہ انہیں بغیر حیل و حجت کے دے دیتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو انکار نہیں کیا تھا۔ اس کا صرف ایک اصول تھا کہ جو کوئی بھی ادھار چیزیں لے تو وہ مہینے کے آخر میں اپنے ادھار کا حساب کتاب کر دے۔ یہی وجہ تھی کہ محلے کے لوگ مراد علی کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ اقبال کا بھی نصیب کریانہ سٹور میں ادھار کا کھاتہ تھا۔ اس کے گھر والوں کو جب کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو وہ اس کے سٹور پر چلے جاتے اور سامان لے آتے۔ بعد میں مراد علی چیزوں کے نام اور ان کے پیسے کھاتے میں لکھ دیتا تھا۔ اقبال ایک فیکٹری میں ملازمت کرتا تھا۔ اس کی تنخواہ بارہ ہزار روپے تھی۔ اس کے والدین وفات پا چکے تھے۔ اقبال کی شادی کو تین سال ہو گئے تھے۔ اس کا دو سال کا ایک بچہ بھی تھا جس کا نام حمید تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا تھا۔

اس دن اتوار تھا اور اقبال کو فیکٹری سے چھٹی تھی۔ مہینے کی آخری تاریخ تھی۔ اقبال اپنے کمرے میں بیٹھا ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھنے میں مصروف تھا جب کہ اس کا بیٹا حمید کھیلنے میں لگن تھا۔ اتنے میں اس کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی۔



میری چھٹی ہوتی ہے۔“ اقبال نے بھی مسکرا کر جواب دیتے ہوئے کہا تو مراد علی بھی ہنس پڑا۔ ”اوہ! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ آج اتوار ہے۔“ مراد علی نے کہا۔ ”خیر بتاؤ، کیا چاہیے؟“

”ایک کلو گھی دے دو۔“ اقبال نے کہا تو مراد علی نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر ایک ڈبے سے گھی کا پیکٹ نکالنے لگا۔ اسی لمحے ایک اور گاہک دکان میں داخل ہو گیا اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔ مراد علی نے ڈبے سے ایک کلو گھی کا پیکٹ نکالا اور اسے شاپر میں ڈال کر اقبال کو دے دیا۔ ”مراد بھائی! میرے کھاتے میں اس کے پیسے لکھ لو۔ کل یکم ہے اور مجھے تنخواہ مل جائے گی تو شام کو آ کر سارا ادھار دے دوں گا۔“ اقبال نے کہا۔

”ٹھیک ہے بھائی، کوئی مسئلہ نہیں۔“ مراد علی نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ دوسرے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا جب کہ اقبال گھی کا پیکٹ لئے گھر آ گیا۔ اس نے گھی اپنی بیوی کے حوالے کیا اور خود کمرے میں آ کر ٹی وی پر کرکٹ میچ دیکھنے بیٹھ گیا۔ یکم تاریخ کو اقبال کو فیکٹری سے تنخواہ مل گئی تو وہ شام کو مراد کی دکان پر پہنچ گیا۔ دکان پر چند لوگ موجود تھے۔ اقبال اپنی باری کے انتظار میں کھڑا ہو گیا جب اس کی باری آئی تو مراد اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”کیا چاہیے اقبال بھائی؟“ ”میں پیسے دینے آیا ہوں۔“ اقبال نے کہا۔ ”میرے کھاتے والی پرچی دے دو۔“ ”اچھا!“ مراد نے کہا اور پھر اس نے ایک رجسٹر اٹھایا اور اس میں سے ایک پرچی نکال کر اقبال کو دے دی۔ مراد علی رات کو ہی سب کھاتہ داروں کا حساب کتاب کر کے علیحدہ علیحدہ پرچیاں بنا لیتا تھا۔ اقبال نے پرچی پر پیسے دیکھے تو اس پر ساڑھے چھ سو روپے لکھے تھے۔ اقبال نے پرچی جیب میں ڈالی اور ساڑھے چھ سو روپے مراد کی طرف بڑھا دیئے۔

”یہ لیں مراد بھائی! رجسٹر سے میرا نام کاٹ دیں۔“ ”میں کاٹ دوں گا، تم بے فکر ہو جاؤ۔“ مراد نے پیسے لیتے ہوئے کہا۔ ”سامان چاہیے؟“

”ہاں! میں سامان کی لسٹ بنا لایا ہوں۔“ اقبال نے کہا اور پرچی اسے دے دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اقبال ضرورت کا سامان لے کر اپنے گھر آ گیا۔ اس نے سامان اپنی بیوی کے حوالے کیا اور خود کمرے میں آ کر ٹی وی آن کر کے اسپورٹس چینل دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ میچ دیکھنے کے دوران ہی اس نے غیر ارادی طور پر

جیب سے پرچی نکالی اور دیکھنے لگا۔ اس نے مراد سے جو چیز بھی ادھار لی تھی وہ بمعہ تاریخ اس پرچی پر درج تھی۔ پھر جیسے ہی اقبال کی نظر پرچی میں آخری چیز پر پڑی تو وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پرچی پر آخری چیز پانچ کلو آٹا لکھا تھا اور اس پر تاریخ بیس اکتوبر درج تھی حالاں کہ اقبال گزشتہ روز ہی ایک کلو گھی مراد علی سے لے آیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ مراد علی پرچی پر گھی اور اس کی قیمت لکھنا بھول گیا تھا۔ اقبال نے سوچا کہ ایک کلو گھی کے پیسے مراد کو دے دینے چاہئیں لیکن پھر اس کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ چھوڑو، مراد بھول گیا ہے اس طرح اس کے پیسے بچ جائیں گے پھر اقبال کے ضمیر نے کہا کہ نہیں، وہ ایسا ہرگز نہ کرے گا۔ اگر مراد بھول گیا ہے لیکن تمہیں تو یاد ہیں ناں۔ اگر تم مراد کو پیسے نہیں دو گے تو روز قیامت تم اسے کیا منہ دکھاؤ گے۔ اللہ کے سامنے بھی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بے ایمانی سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ ایک سو پچاس روپے سے تم کیا خرید لو گے۔ سوچو اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ۔ شیطان اسے بے ایمانی پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ خاموش رہے اور پیسے اپنے پاس رکھے مگر اس کا ضمیر جھنجھوڑ رہا تھا اور اسے سیدھی راہ دکھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ضمیر اور شیطان کے درمیان کشمکش چل رہی تھی۔ اقبال گہری سوچ میں غرق تھا۔

”نہیں، نہیں میں مراد کو پیسے ضرور دوں گا۔ میں بے ایمانی نہیں کروں گا۔ اگر میں نے مراد علی کو پیسے نہ دیئے تو یہ اس کا مجھ پر قرض ہو گا جو شاید میں روز قیامت چکا نہ سکوں۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ شکر ہے میری آنکھیں بروقت کھل گئی ہیں۔“ اقبال نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے ٹی وی آف کیا اور کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ اسی لمحے اس کی بیوی بانو کچن سے باہر آئی۔ وہ اقبال کو باہر جاتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”اقبال! آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ ”مراد کو پیسے دینے۔“

”ابھی تو آپ پیسے دے آئے ہیں۔“

”ہاں..... لیکن اس کا ادھار ابھی رہ گیا ہے۔“

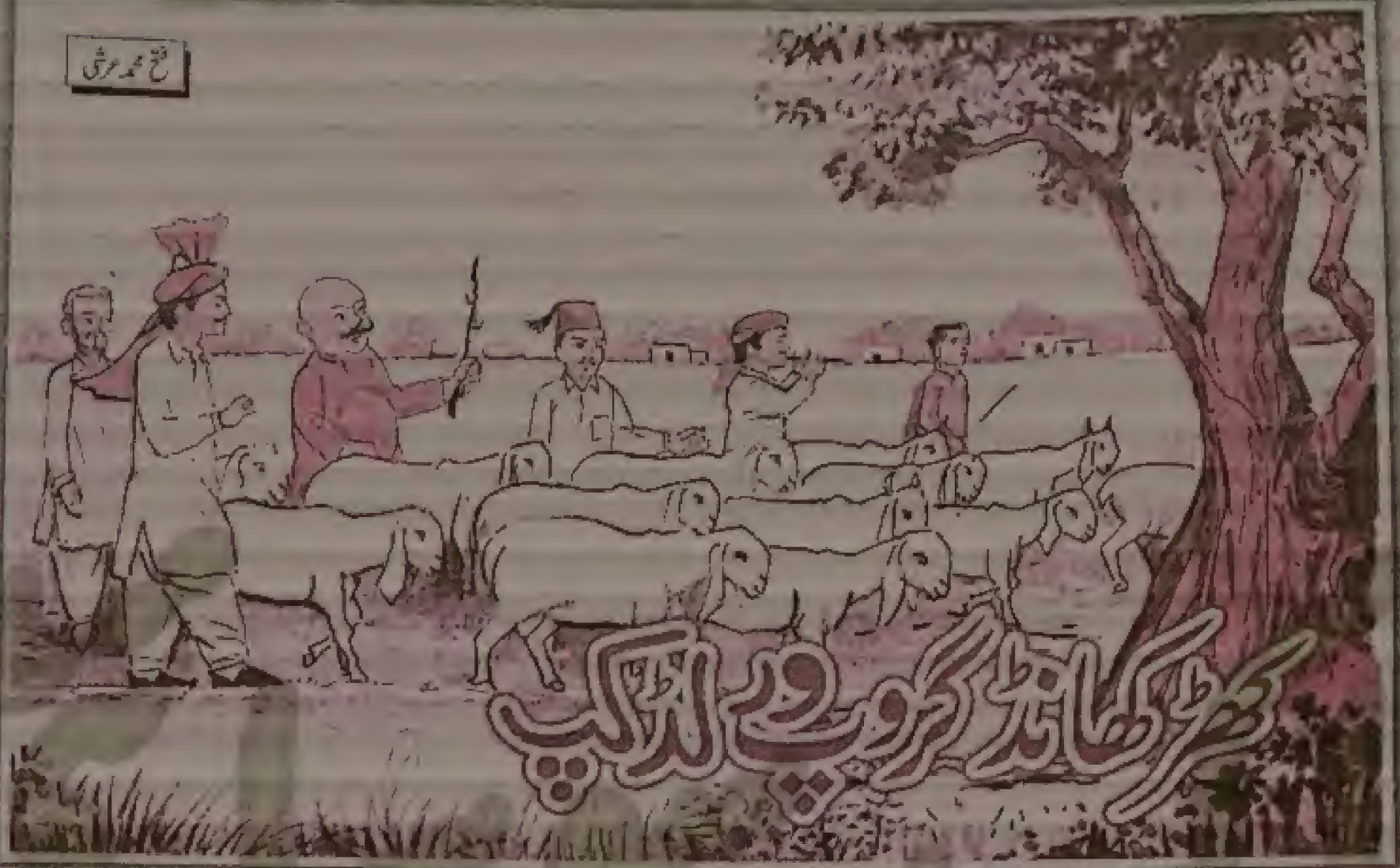
”میں سمجھی نہیں۔“ اقبال کی بیوی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”آ کر بتاتا ہوں۔“ اقبال نے کہا اور پھر وہ گھر سے نکل کر

نصیب کریا نہ سنور کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے چہرے پر فتح کی چمک تھی کہ وہ شیطان کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تھا اور وہ گناہ گار ہونے سے بچ گیا تھا۔

☆☆☆





## کھڑکھاند گروپ

”آسٹریلیا نے کون سا تیر مار لیا ہے؟“  
 ”پاکستان کو تو ہرا دیا تھا۔ اس کا مطلب ہے، ہم سے تو آگے  
 ہیں۔ تم بھیج کیوں نہیں کھیل لیتے؟“  
 ”او کے ڈن!“ منجے والا نے فوراً ہی چیلنج قبول کر لیا تھا۔ ”کل  
 ہمارا میچ ہوگا۔“

”او کے! سیلورن کے گراؤنڈ میں..... کل ٹھیک آٹھ بجے پہنچ  
 جانا۔ ٹاٹا.....“ بڈارے نے کہا اور ایک طرف چل دیا۔  
 کھڑکھاند گروپ اس وقت تو خاموش رہا لیکن بھوت حویلی پر پہنچتے  
 ہی منجے والا کو گھیر لیا۔ ”ارے بے وقوف! بڈارے کی ٹیم بہت مضبوط  
 ہے اور وہ خود بھی بہت اچھا پلیئر ہے۔“ ملنگی نے غصے سے کہا۔  
 ”ہاں..... اور کیا.....؟ ہماری شکست یقینی ہے!“ چھوٹے والا  
 نے فیصلہ سنا دیا۔

”جو بھی ہو، میں پاکستان کے خلاف بات نہیں سن سکتا۔“ منجے  
 والا کا جذبہ قابل دید تھا۔ ”ارے! ہائیں..... اسے تو ہم بھول ہی  
 گئے، اب ہماری فتح یقینی ہے۔“ منجے والا اچانک خوشی سے اُچھل پڑا۔  
 ”کسے بھول گئے؟“ سارے کھڑکھاندیوں نے حیران ہو کر پوچھا۔  
 ”عرشی صاحب کو..... اس کے کچھ دوست بہت اچھے کھلاڑی  
 ہیں، وہ ہمارے خفیہ ہتھیار ہوں گے۔“ منجے والا نے رازدارانہ

پاکستان کو آرٹھر فاکسل میں آسٹریلیا کے ہاتھوں شکست کھا گیا۔  
 بے شک ہر دلی درد مند رکھنے والے پاکستانی کو دکھ پہنچا تھا لیکن یہ تو  
 قسمت کے کھیل ہیں۔ جب دو پہلو ان کشتی لڑتے ہیں تو ایک تو  
 ہارتا ہے۔ ایک کی جیت دوسرے کی ہار بن جاتی ہے۔

لیکن یہ باتیں بڈارے کو کون سمجھاتا؟ بقول منجے والا: ”اس  
 کی باتوں سے غداری کی بو آتی تھی۔“ وہ الزامات کا پتارہ کھول کر  
 بیٹھ گیا تھا۔ ”ارے پاکستان ٹیم ہے ہی ایسی..... اس پر بھروسہ  
 کرنے والے احمقوں کی جٹ میں رہتے ہیں۔ ارے ٹیم ہے تو  
 آسٹریلیا کی..... سب آل راؤنڈر!“

”بس بس..... تم ایک بات بتاؤ؟“ منجے والا نے جل کر  
 کہا۔ ”تم آسٹریلین ہو یا پاکستانی؟“  
 ”میں جو بھی ہوں، دل تو ان کے ساتھ ہے۔ آسٹریلیا انڈی  
 بیٹ!“ بڈارے نے بے شری کی انتہا کر دی۔

”ارے جاؤ..... پاک ٹیم بیٹ ہے۔“ ملنگی کو بھی غصہ آ گیا۔  
 ”اچھا..... تو فیصلہ ابھی کر لیتے ہیں۔“ بڈارے نے طنز یہ انداز  
 میں کہا۔ ”ہم آپس میں میچ کھیل لیتے ہیں۔ اگر تم جیت گئے تو  
 پاکستانی ٹیم بیٹ، ورنہ تمہیں ماننا پڑے گا کہ آسٹریلیا ہی اصل  
 ٹیمپن ہے۔ آسٹریلیا..... مائی فیورٹ ٹیم!“



انداز میں کہا۔

”اوہ! واقعی..... انہیں تو ہم بھول ہی گئے تھے۔“ سب کے منہ سے نکلا۔

”مبارک! مبارک! مبارک!..... ایڈوائس مبارک!۔“ پتا نہیں مبارک! کس کو نے میں چھپا بیٹھا تھا۔

شکر ہے، اس نے مرغی کا نام نہیں لیا تھا، ورنہ سمنجے والا اسے کچا چبا ڈالتا کیوں کہ پاکستان کے ورلڈ کپ جیتنے کی خوشی میں وہ کل ہی کھڑکھاند گروپ کو دو کلو مرغی کھلا چکا تھا۔.....

میچ والے دن کھڑکھاند گروپ جب سیلورن کے گراؤنڈ کی طرف روانہ ہوا تو گیارہواں کھلاڑی ایسے غائب تھا، جیسے گدھے کے سر سے سینگ..... تو گویا ”کھڑکھاند سکوڈ 10“ کچھ اس طرح تھا:

سمنجے والا، چھوٹے والا، تلنگی، مبارک!، دادا بڑی، جشنی ماما، دلشان، بگیاڑہ، دانش اور عامر سہیل۔

گیارہویں کھلاڑی کا مسئلہ اس طرح حل ہوا کہ گراؤنڈ کی طرف جاتے جاتے اچانک راستے میں شاکا مل گیا۔ بانسری ہاتھ میں لیے وہ اپنے ریوڑ کے ساتھ رواں دواں تھا۔ دادا بڑی نے اسے روکتے ہوئے میچ کی دعوت دی تو اس کی باجھیں کھل گئیں۔ ”ارے واہ! میں تو ضرور آؤں گا، بکریاں پھنسن سائیں نال۔“

سمنجے والا نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے کبھی ہاتھ میں بٹا پکڑا بھی ہے یا نہیں؟“

”ہا ہا ہا.....“ شاکا نے ایک بے ڈھنگا قہقہہ لگایا۔ ”ہماری نظر میں تو کرکٹ گیارہ گیندوں کا کھیل ہے۔“

وہ واقعی سمنجے والا کو ٹینشن دے رہا تھا لیکن خیر، مجبوری تھی۔ ٹیم تو پوری کرنی تھی۔

جلد ہی وہ سیلورن کے گراؤنڈ میں پہنچ گئے۔ یہ ٹیلوں میں گھرا ہوا ایک کرکٹ گراؤنڈ ہے، جس کی ایک سائیڈ پر ’آک‘ کے بڑے بڑے پودوں کا ایک جھنڈ بھی ہے۔ دیہاتی گراؤنڈ کا عمدہ نمونہ!

کبھی کبھی یہاں ریزمی لگانے والے بھی آ جاتے ہیں۔ آج بھی ایک ریزمی والا گنڈیریاں بیچنے آیا ہوا تھا۔

بڈارے کی ٹیم بھی پہنچ چکی تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ خود بھی ایک اچھا پلیئر تھا اور اس کی ٹیم بھی کافی مضبوط تھی لیکن سوال تھا

پاکستان کی عزت کا..... اس لیے کھڑکھاند گروپ سر پہ کفن باندھ کے

میدان میں کود پڑا تھا۔ (ارے بھائی..... حقیقتاً نہیں، بلکہ محاورہ!) کھڑکھاند گروپ کی اصل طاقت عامر سہیل، دلشان اور دانش

تھے۔ عامر سہیل ایک نوجوان لڑکا تھا اور کمال کی بینگ کرتا تھا۔ یوں سمجھیں کہ وہ کھڑکھاند گروپ کا ’ڈی ویلیئر‘ تھا۔ دو دن پہلے اس نے

آخری اوور میں تین لگا تار چٹکے لگا کر ایک میچ جتوایا تھا جو سمنجے والا اینڈ کمپنی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ دلشان کا اصل نام تو ذیشان

تھا، لیکن اس کی کارکردگی دیکھتے ہوئے لوگ اسے ”دلشان“ کہنا پسند کرتے تھے۔ اپنی ٹیم کی طرف سے سب سے زیادہ ففٹیاں اسکور

کرنے کا اعزاز اسے ہی حاصل تھا۔ اس کی ایوریج کمال کی تھی اور دانش..... یہ غضب کا باؤلر تھا۔ شین کی طرح.....! افواہ سنی گئی تھی کہ

پچھلے دنوں اس نے ایک میچ کے دوران آخری اوور میں مخالف ٹیم کو دو رنز نہ کرنے دیئے تھے، اس لیے کھڑکھاند گروپ ان تین ’ٹینک

پلیئرز‘ کی وجہ سے بہت خوش تھا۔ کھڑکھاند گروپ تو آپ کا دیکھا بھالا ہے۔ سمنجے والا کو پوری

امید تھی کہ وہ آخریدی کا شارچہ والا ریکارڈ آج ضرور توڑیں گے۔ ”ہا ہا ہا..... آگئے ٹیم لے کے.....“ بڈارے نے طنزیہ انداز میں

قہقہہ لگایا۔ ”آج ہم انہیں مزہ چکھائیں گے۔“ سمنجے والا نے خلاف توقع بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”یہ تو ابھی پتا

چل جائے گا کہ مزہ کون چکھاتا ہے..... آؤ پہلے ٹاس کر لیں۔“ ”او کے!“ بڈارے نے کہا اور ایک سکہ نکالتے ہوئے سمنجے والا

کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ سمنجے والا نے فوراً کہا۔ ”چاند!“ ”کیا مطلب؟“ بڈارا حیران رہ گیا۔

”ہا ہا ہا.....“ عامر سہیل نے ہنس کر کہا۔ ”کیپٹن صاحب کا مطلب ہے..... ہیڈ (Head)۔“

یہ سن کر دونوں ٹیمیں کھلکھلا کر ہنس پڑیں لیکن سمنجے والا خوشی سے پھولا نہیں سارہا تھا۔ اسے ”کیپٹن صاحب“ کا خطاب جو مل چکا تھا۔

خیر، ٹاس ہوا اور سمنجے والا نے جیت لیا۔ اگرچہ ٹیم فیلڈنگ کے حق میں تھی، لیکن سمنجے والا نے کہا کہ ہم پہلے بینگ کریں گے۔

پندرہ، پندرہ اوورز کا میچ طے ہوا۔ یہ بھی شرط رکھی گئی کہ ایک کھلاڑی زیادہ سے زیادہ پانچ اوورز کر سکتا ہے۔

عامر سہیل اور دلشان کو اوپنر بھیجا گیا حالاں کہ سمنجے والا بڈارے کو خود سبق سکھانے کو بے تاب تھا۔ کھیل شروع ہوا، پہلا اوور



بڈارے نے خود کیا۔ پہلی ہی بال پر عامر سمیل نے ایک شان دار چھکا لگا دیا۔ کھڑکھاند گروپ خوشی سے مہموم اُٹھا۔ بڈارے کا رنگ اُڑ گیا۔ اوور کے اختتام پر بیس رنز بن چکے تھے۔ پھر تو دلشان اور عامر سمیل نے بڈارے کو کرکٹ کلب کے ہوش اُڑا دیے۔ جب پہلی وکٹ گری تو سات اوور کے اختتام پر پٹھری مکمل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے کہ سمجھے والا کریز پر جاتا، دادا بڈی اس سے پہلے پہنچ گیا۔

بڈارے کی طرف سے اس وقت ایک فاسٹ باؤلر بال کروا رہا تھا۔ جب اس نے بال پھینکا تو دادا بڈی نے آؤ دیکھا، نہ تاؤ۔ بس زور سے بیٹ گھما دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ گیند اس کے بیٹ گھمانے سے پہلے ہی وکٹ کیپر کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھی۔ اوور ہوتا رہا، دادا بڈی زور و شور سے بیٹ گھماتا رہا لیکن بیٹ کو بال سے ہمکنار ہونے کا ”شرف“ حاصل نہ ہو سکا۔ سارا کھڑکھاند گروپ دانت پیس کر رہ گیا۔

دلشان وکٹ پر آیا اور پہلی ہی گیند پر شان دار چھکا اُٹھنے والا تو اُٹھ کر ناپنے لگا لیکن شاید کھڑکھاند گروپ کا ستارہ گردش میں آچکا تھا۔ اگلی بال پر دلشان کیچ آؤٹ ہو گیا۔ اب بڈارا خوشی سے ناپنے لگا۔ یہ دیکھ کر سمجھے والا آگ بگولا ہو گیا اور تقریباً دوڑتا ہوا وکٹ پر پہنچ گیا۔ اس نے جاتے ہی بلا زور سے گھمایا اور چار رنز....

”زبردست سمجھے والا زبردست.....“ ملنگی چلایا۔ یہ شاید بائی چانس سٹروک تھا کیوں کہ اگلی تین بالز کا حشر وہی ہوا جو دادا بڈی نے پورے اوور کا کیا تھا۔

”دادا بڈی ایک بار پھر وکٹ پر....“ چھوٹے والا نے اچانک بلند آواز سے کنٹری شروع کر دی۔ ”بال آئی.... زور سے بیٹ گھمایا....“ اور.... اور بال کو ہٹ لگانے میں کامیاب.... بال گپ میں سے ہوتی نی سیدھی باؤنڈری کی طرف.... ب رنز مکمل.... اور اب دوسرے رنز

کے لیے دوڑے.... ارے.... ہائیں.... یہ کیا ہوا؟“ چھوٹے والا نے اچانک حیران ہو کر کہا۔ سمجھے والا اور دادا بڈی میچ کے درمیان میں ہی ایک دوسرے سے ٹکرا کر گر پڑے تھے۔ سمجھے والا جلدی سے اُنھ کو بھاگا۔ دادا بڈی اُنھ کو بھاگنے لگا۔

اب شاکا وکٹ پر تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے بیٹ گھما دیا۔ ”دور رنز....“ ایل ڈن شاکا دیل ڈن....“ چھوٹے والا چلایا۔ اگلی بال پر شاکا نے ایک زبردست ہٹ لگانے کی کوشش کی۔ ہٹ تو نہ لگی البتہ اس کا پچھلا پیر وکٹوں سے ضرور جا لگا۔ سمجھے والا نے بھٹا کر کہا۔ ”اندھے ہو کیا.....؟“

”نوٹیشن.....“ شاکا نے لا پرواہی سے کہا۔ ”میں نے دراصل مصباح اسٹائل میں ہٹ لگانے کی کوشش کی تھی۔“

اب دانش کی باری تھی۔ اوور کی آخری گیند پر ایک رنز بن سکا۔ دانش پھر وکٹ پر تھا۔ سمجھے والا نے اسے ایسے دیکھا جیسے اسے کچا چبا جائے گا۔ اب بڈارے کا اوور تھا۔ تین بالز پر سات رنز بنے تو سمجھے والا وکٹ پر آیا۔ بڈارے نے سمجھے والا کو ایک خطرناک باؤنسر مارا اور سمجھے والا ہائے اللہ..... کہتے ہوئے ناک آؤٹ ہو گیا۔ پانچویں گیند پر ملنگی سامنا کر رہا تھا۔ خوف سے اس کی ٹانگیں





## ”بیماری“ کے بھانے

بچوں کو فرضی بیماریاں بھی بہت لاحق ہوتی ہیں۔ صبح مدر سے جاگنے سے کچھ دیر پہلے بعض بچے شکایت کرتے ہیں کہ ان کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ بعض عیار بچے تو واقعی طور پر بیماری کے آثار کا ڈرامائی اظہار ہی کرتے گئے ہیں۔ مومنہ چھٹی کا وقت قریب آتے آتے یہ مرض بھی گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ فرضی بیماریاں امتحان کے دنوں میں تو بہت عام ہو جاتی ہیں۔ ہوم ورک نہ کرنے پر کتب میں دوسرے در و کمر، آنکھ میں درد، پیٹ میں درد، طبیعت خراب وغیرہ کے بھانے بنانا، ہمارے بچپن کے زمانہ میں بھی بہت عام تھا۔ بیماری کا بھانہ کرنا زندگی کے تلخ تقاضوں اور ذمہ دار فرائض سے گریز ہے۔ فرار کا یہ طریقہ ست اور لذت پسند بچوں کا بہت پرانا ڈھونگ ہے۔ جس بچے کی تربیت وقت پر کام اور وقت پر کھیل اور راست گوئی کے اصولوں پر ہوئی ہو، وہ ہمیشہ وقتی راست اور عیش کے لیے چھوٹے بھانوں میں کبھی پناہ نہیں لیتا۔ ایسا بچہ بالغ ہو کر جھانکس، راست گو، پُر وقار، قابل اعتماد اور مفید شہری ثابت ہوتا ہے۔

کا مقدر بن جائے گی۔

”ٹینشن نہیں لینی..... اگلے اوور میں میں بڈارا ٹیم کو تباہ کر دوں گا۔“ شا کا نے ہٹ دھرمی کی انتہا کر دی۔

اگلا اوور پھر گمنجے والا نے لیا، دوسری گیند پر بڈارا سامنے تھا۔ گمنجے والا نے دانت پیس کر بال کرائی اور میدان ”وہ مارا.....!“ کے نعرے سے گونج اٹھا۔ ایک وکٹ گر چکی تھی۔ ایمپائر نے انگلی اٹھا دی۔ بڈارے نے بے یقینی سے دنگلی ہوئی وکٹ کو دیکھا اور مایوسی سے سر جھکا کر چل دیا۔

”مبارک! مبارک!“ مبارکوں نے گمنجے والا کو گلے لگا لیا لیکن گمنجے والا نے کچھ کام کیا..... وہ اچانک بڈارے کے پاس گیا اور اسے دانت پیس لایا۔ ”کہا کہ آپ آؤٹ نہیں ہوئے۔“

”میں مذاق نہیں کر رہا، آپ واقعی آؤٹ نہیں تھے۔ یہ دراصل ملنگ کی شرارت ہے۔ وہ دیکھو، سامنے ریڑھی والے سے گنڈیریاں کھلا رہا ہے۔ اسی نے ایک گنڈیری مار کر آپ کی وکٹ گرا دی تھی۔“

بڈارا گمنجے والے کی ایمان داری سے بہت متاثر ہوا اور دوبارہ بیٹنگ کرنے لگا۔ گمنجے والا نے آخری گیند اس جوش و خروش سے کرائی کہ اپنے تہبند میں ہی الجھ کر گر پڑا۔ بڈارے نے ایک اونچی ہٹ لگائی لیکن خطرے کی بظاہر کوئی بات نہیں تھی۔ دور دور تک کوئی کھلاڑی نہیں تھا لیکن اچانک ”آک“ کے جھنڈ کے پیچھے سے چھوٹے

بید بچوں کی طرح کانپ رہی تھیں۔ بڈارے نے ایک زبردست ”یارکر“ پھینکا۔ ملنگی کی ٹانگیں ہوا میں بلند ہوئیں اور ملنگی کو یوں لگا جیسے آسمان نے اچانک فلا بازی کھائی ہو اور وہ اس کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل گیا ہو۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ منہ کے بل زمین پر پڑا تھا اور اس کی وکٹیں گر چکی تھیں۔

”ہیٹ ٹرک چانس.....!!!“ بڈارا خوشی سے چلا یا۔

اب آخری بال کا سامنا کر رہا تھا..... جشٹی ماما!

بڈارے نے ایک لمبا اشارٹ لیا اور گویا بجلی سی چمکی تھی۔ جشٹی ماما اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ ایمپائر نے چلا کر کہا۔ ”نو بال.....!“ جشٹی ماما نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔ ”ہاہاہا..... مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ اس نے بال نہیں پھینکی، ویسے ہی نیل کی طرح دوڑتا ہوا آیا ہے۔“ اس کی یہ بات سن کر کھڑکھاند گروپ نے اپنا سر پیٹ لیا۔

ایمپائر نے فری ہٹ کا اشارہ کیا۔ جشٹی ماما نے اندھا دھند بلا گھمایا۔ بلا تو بال کو نہ چھو سکا البتہ بالی کا چوکا ضرور لگ گیا اور پھر چودہ اوورز کے اختتام سے پہلے ہی 166 رنز پر کھڑکھاند گروپ کا خاتمہ بالآخر ہو گیا تھا۔

پانی کے ایک مختصر سے وقفے کے بعد کھیل دوبارہ شروع ہوا۔ پہلا اوور دانش نے کیا تھا اور مخالف ٹیم کی دس رنز کے بدلے میں ایک اہم وکٹ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اب تو کھڑکھاند گروپ کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔ اگلا اوور گمنجے والا نے کرایا اور اسکور میں تک پہنچ گیا۔

دانش کے اوور میں اسکور کم ہو جاتا لیکن اگلا اوور پھر ہماری پڑتا..... نو ڈاؤن پر بڈارا خود آ گیا۔

”ارے شا کا کہاں ہے جو کہتا تھا کہ وکٹ گیارہ گیندوں کا کھیل ہے، اب اسے اوور کرانے دو!“ گمنجے والا نے بدحواس ہو کر کہا۔

”لو جی..... آ گیا۔“ شا کا نے اسی طرح کی طرح جابجہ ہو کر کہا۔

شا کا دھڑکتے ہوئے آئے۔ گیند کی..... گیند کی باؤنڈری سے باہر..... شان دار چھکا!

اور پھر دوسرا چھکا..... تیسرا چھکا..... اور لگا کر چھٹے چھکا..... شا کا نے سچ ہی کہا تھا کہ وکٹ گیارہ گیندوں کا کھیل ہے۔ گمنجے والا کو یقین تھا کہ اگر ایک اوور اسے اور دیا گیا تو عبرت ناک شکست ان



گیند بہت بلندی پر نہ پہلی باقی تو یقیناً چکا تھا۔ ایک اچھا بیچ لیکن  
وائے قسمت کہ بیچے کنبے والا تھا، سب کے پیہرے لٹک گئے۔ نتیجہ  
صاف ظاہر تھا۔ بڈارے کے ساتھی دو رنز مکمل کر چکے تھے۔ بٹنی ماما  
اور شا کا بھی کنبے والا کی طرف بھاگے۔ کنبے والا دوڑ کر آئے، پھر  
چند قدم پیچھے گیا اور پھر اندھوں کی طرح ہاتھ پھیلا دیئے لیکن گیند  
سیدھا ان کی کھوپڑی سے ٹکرایا۔ اور کنبے والے کے منہ سے ہائے  
نکل گیا۔ شکر ہے، ٹینس بال تھا، اگر ہارڈ بال ہوتی تو کنبے والے کا  
جنازہ گراؤنڈ سے اٹھتا۔ گیند کنبے والا کے سر سے ٹکرا کر اوپر اچھلا اور  
سیدھا بٹنی ماما کی طرف گیا۔ بٹنی ماما نے کسی فقیر کے کشکول کی طرح  
اپنی جھولی پھیلا دی۔ گیند سیدھا اس کی جھولی میں گرا اور اس نے اسے  
سنے سے لگا لیا۔

”آؤٹ!“ ایسا رکی پر جوش آواز گونجی تو سب لوگ ہوش میں آ  
گئے۔ کنبے والا نے اپنی تکلیف بھول کر بٹنی ماما کو کندھوں پر اٹھا لیا اور  
”میلو رن“ کا گراؤنڈ پاکستان..... زندہ باد! کے نعروں سے گونجنے لگا۔  
”مین آف دی میچ“ کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

یہ اعزاز بٹنی ماما کو ملنا چاہیے جس نے ایک مشکل کیچ لے کر میچ  
جتوایا یا کنبے والا کو، جس نے اپنی کنبی کھوپڑی کی قربانی دی تھی۔ !!!

☆☆☆

والا نکلا اور اس نے کیچ تو بڑی آسانی سے لیا لیکن کیچ کے بعد رکنا  
اس کے لیے مشکل ہو گیا۔ اگر ملتی نہ پکڑ لیتا تو وہ یقیناً دوسری  
باؤنڈری سے پار چلا جاتا اور یوں آؤٹ کی بجائے چھکا ہو چکا ہوتا۔  
آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے اور آخری اور باقی تھا۔ جیتنے  
کے لیے صرف آٹھ رنز درکار تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان کا ایک ٹاپ کا  
کھلاڑی فیصل وکٹ پر موجود تھا۔ دانش نے ایک چیلنج کے طور پر  
آخری اور لیا اور پھر پہلی ہی گیند پر کنبے والے پر کیچ گیا جو حسب  
معمول اس سے چھوٹ گیا کیوں کہ کیچ کرنا کنبے والا کے بس کی  
بات نہیں تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ چوکا بھی لگ گیا۔ کھڑکھاند  
گروپ کے منہ لٹک گئے۔

دوسری گیند پر ایک رنز، اب فتح صرف تین رنز کی دوری پر تھی۔  
تیسری گیند پر..... آؤٹ! نو وکٹیں گر چکی تھیں۔ آخری وکٹ.....  
اور تین رنز!

دسویں کھلاڑی نے ایک رنز نکالا اور فیصل وکٹ پر آ گیا۔ ”صرف  
دو رنز!“ بڈارا چلا آیا۔

پانچویں گیند دانش نے بڑی خوب صورتی سے ہیٹ کرائی۔  
سب کے سانس رُک گئے تھے۔

دانش آیا..... اس نے گیند کی اور ایک زوردار شارٹ..... اگر

## کمزور نمائندے میں حصہ لیتے والے بچوں کے نام

حارث علی مان، وار برٹن۔ محمد حمزہ راول پنڈی۔ محمد شفقت سیال، جھنگ۔ احمد ابراہیم حسن، خانیوال۔ احمد ارشد مغل، لاہور۔ عبدالرحمان بٹ، سیال  
کوٹ۔ رمشاء امان، لاہور۔ محمد عبداللہ فیصل، چکوال۔ محمد قمر الزمان صائم، خوشاب۔ شکیل الرحمن، شرق پور۔ عاطف ممتاز، تلہ گنگ۔ علی عبدالباسط،  
انک۔ حافظ احمد محمود، راول پنڈی۔ منیر حسن شاہ، ڈیرہ اسماعیل خان۔ احسان الحق، اسلام آباد۔ رجاہ بتول، پورے والا۔ نذیر عمران، گوجرانوالہ۔ منزہ  
فاطمہ، عاتکہ سمیل، لاہور۔ نمرہ افضل، وقاص افضل، جھنگ سندھ۔ حفیظ الرحمن فاروقی، ڈیرہ اسماعیل خان۔ شریک اشرف غوری، اسلام آباد۔ طلحہ سعادت،  
سیال کوٹ۔ سحر فاطمہ، فارغہ نعیم، لاہور۔ محمد علی حذیفہ، گوجرانوالہ۔ محمد دانیال اعجاز، سرائے عالم گیر۔ قراۃ العین، سیال کوٹ۔ مبوش اسلم، لاہور۔ محمد سلیمان  
زیب، کوہاٹ۔ رانا رومان غفور، شیخوپورہ۔ عائشہ مجید، لاہور۔ عبدالسلام، بہاول پور۔ کنزلی جدون، ایبٹ آباد۔ مریم احسن، لاہور۔ عبداللہ سعید، فیصل  
آباد۔ آمنہ ندیم، جویریہ شعیب، محمد سیف علی مرزا، سید عبید اللہ حسن، رافعہ عمران، لاہور۔ شمسہ امین، نوشہرہ۔ عبدالرحمن، راول پنڈی۔ امجدہ فخر ظفر قریشی،  
میرپور۔ اسامہ راشد، اسلام آباد۔ سعیدہ نسرین، بہاول پور۔ فرید احمد، راول پنڈی۔ رشیدہ عدنان، کراچی۔ ردا اقبال، راول پنڈی۔ اسد جاوید، احمد  
حسین، لاہور۔ فتنہ شہزاد، فیصل آباد۔ آمنہ اختر، راول پنڈی۔ احمد علی عبداللہ، میانوالی۔ محمد اسد عارف، کراچی۔ محمد وقاص، پشاور۔ عبداللہ زاہد، فیصل  
آباد۔ رضوان اشہد، پشاور۔ عائشہ ذوالفقار، عابدہ ورد، لاہور۔ محمد عثمان، علم سکندر، وزیر آباد۔ اذکی عبدالرحمن، ازوی امان اللہ، لاہور۔ غزالہ امیرین،  
پتوکی۔ قاری محمد ندیم، اوکاڑہ۔ مریم نعیم، راول پنڈی۔ عبداللہ طارق، فیصل آباد۔ محمد نذیر العابدین، گوجرہ۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ حذیفہ مزاری،  
صادق آباد۔ اسامہ خباب علی، چکوال۔ محمد حمزہ لغاری، میانوالی۔ سدرہ رحمان، بہاول پور۔ محمد حمزہ مقصود، لاہور۔ محمد عثمان حمید، کاموکی۔ سیدہ آمنہ واسطی،  
کراچی۔ عمر بلال، مریم اعجاز، لاہور۔ شمیمہ رفعت، کٹھیمہ، احور، عمران، راول پنڈی۔ شازیہ، ٹوبہ، کراچی۔ عبدالعزیز، سیال کوٹ۔ عرفان شیخ، راول پنڈی۔



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



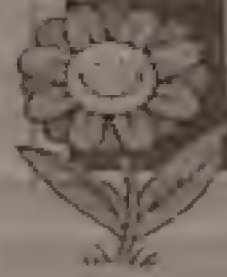
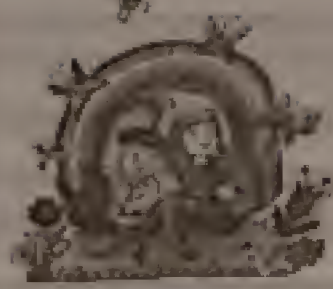
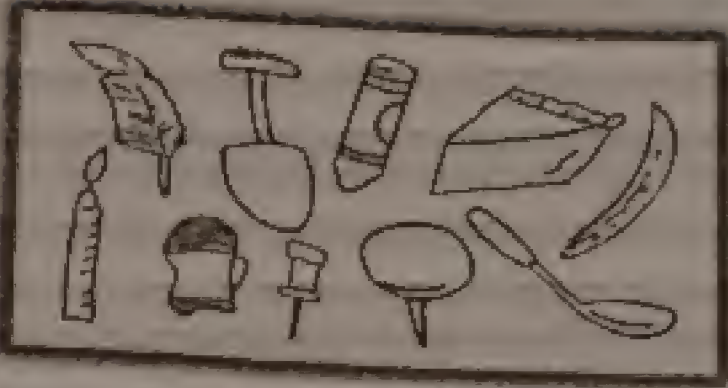
Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](http://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](http://twitter.com/paksociety1)



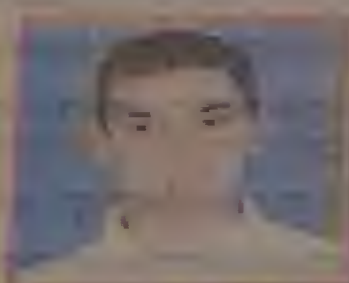


# اوہ چھل خا کے

یہ چیزیں خا کے میں چھپی ہوئی ہیں۔ آپ ان چیزوں کو تلاش کیجئے اور شاباش لیجئے۔







محمد امجد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



سیدہ سحر  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



حسن علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



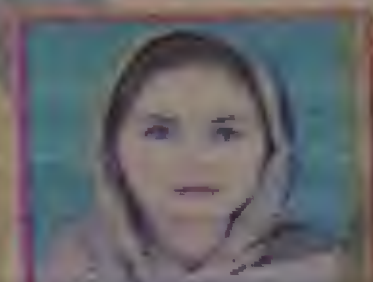
محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



فریاد  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



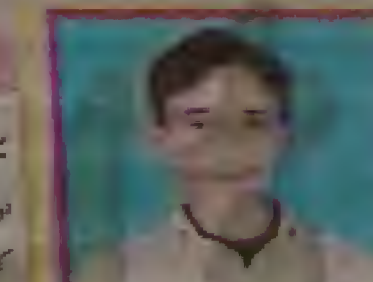
محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



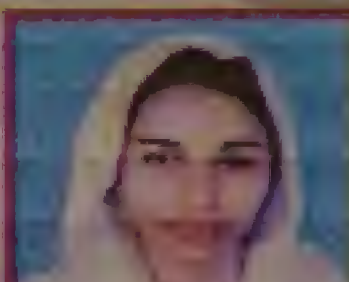
محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔



محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔

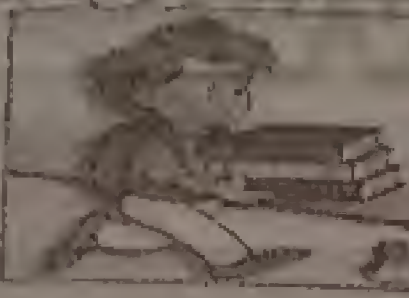


محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔

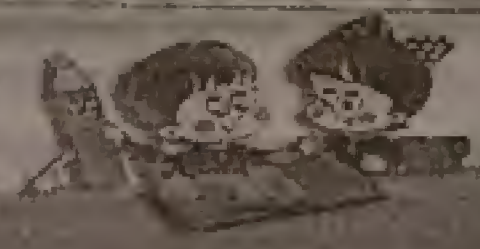


محمد علی  
میں نے اپنی زندگی میں بہت سے کام کر رکھے ہیں۔





## مختصر مختصر



### انمول باتیں

☆ حقیقی درد وہ ہے جو دوسروں کے درد کو دیکھ کر محسوس ہو، ورنہ اپنا درد تو جالور بھی محسوس کرتے ہیں۔

### ماں

☆ آسمان نے کہا..... ماں صبح کی پہلی کرن ہے۔  
☆ چاند نے بتایا..... ماں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔  
☆ ستاروں نے سرگوشی کی..... ماں ایک روشن ستارہ ہے۔  
☆ سورج نے برملا کہا..... ماں کی گود جیسی گرمائی مجھ میں نہیں ہے۔  
☆ بادل نے خیل ظاہر کیا..... ماں ساون کے پہلے قطرے کی مانند ہے۔  
☆ موسم نے انکشاف کیا..... ماں پیار کی صبح ہے۔  
☆ سمندر نے راز بتایا..... ماں ایک کنارہ ہے۔  
☆ پھول نے جھوم کر کہا..... ماں ایک خوب صورت خوشبو ہے۔  
☆ درخت نے لہرا کر بتایا..... ماں وہ چھاؤں ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔  
(محمد بلال، کراچی)

### پانی پینے کے آداب

☆ پانی بسم اللہ پڑھ کر پینا چاہیے۔  
☆ پانی سر ڈھانپ کر پینا چاہیے۔  
☆ پانی ٹھہر ٹھہر کر تین سانسوں میں پینا چاہیے۔  
☆ پانی کو دیکھ کر اور صاف برتن میں پینا چاہیے۔  
☆ پانی پھونک مار کر نہیں پینا چاہیے۔  
☆ پانی کھڑے ہو کر نہ پیئیں، بیٹھ کر پینا چاہیے۔  
☆ پانی پی کر برتن کو اس کی جگہ پر رکھنا چاہیے۔  
☆ جراثیم سے پاک اُبلّا ہوا پانی پینا چاہیے۔  
☆ پانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اسے ضائع مت کریں۔  
(مار یہ عبدالناصر، کلور کوٹ)

دولت سے کیا خرید سکتے ہیں، کیا نہیں.....؟

☆ ہم عینک خرید سکتے ہیں، مگر نظر نہیں۔  
☆ نرم بستر خرید سکتے ہیں، میٹھی نیند نہیں۔

☆ کتابیں خرید سکتے ہیں، علم نہیں۔  
☆ خوشامد خرید سکتے ہیں، محبت نہیں۔  
☆ زیور خرید سکتے ہیں، حسن نہیں۔  
☆ ادویہ خرید سکتے ہیں، صحت نہیں۔  
☆ جسمانی راحت خرید سکتے ہیں، روحانی مسرت نہیں۔

(رومیہ جیل، لاہور)

### باتوں سے خوشبو آئے

☆ ایسی باتیں مت کرو جس سے دوسروں کی دل شکنی ہو۔  
☆ ناشکری نہ کرو کیوں کہ یہ گناہ ہے۔  
☆ فضول خرچی کی عادت نہ اپنائیں اور کفایت شعاری سے کام لیں۔  
☆ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔  
☆ خدا کی یاد ہی مسائل کا حل ہے۔  
☆ کان، آنکھ، دل سب کے بارے میں باز نہ ہوگی۔  
☆ حق تلفی و ناانصافی ایسے ہی قابل نفرت عوامل ہیں جیسے کسی مسلمان کے نزدیک حرام گوشت کا لقمہ۔  
(ناظرہ مقدس، شیخوپورہ)

### دانائی کی بات

حضرت لقمان کا رنگ گندی تھا۔ ایک دن بغداد کے بازار سے گزر رہے تھے کہ مفرور غلام سمجھ کر پکڑ لیے گئے اور مٹی کھودنے کے کام پر لگائے گئے۔ ایک شخص اپنا گھر بنا رہا تھا۔ اس نے ایک سال تک آپ سے مٹی کھودنے کی بیگاری۔ اتفاق سے اس کا غلام اسی اثنا میں لوٹ آیا، وہ حضرت لقمان کو جانتا تھا۔ تڑپ گیا کہ اتنی بڑی شخصیت میری وجہ سے کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ قدموں پر گر گیا اور اپنے آقا کو بھی حضرت لقمان کی اہمیت اور شخصیت سے آگاہ کیا تو وہ بھی بڑا پشیمان ہوا۔ حضرت لقمان نے فرمایا: ”بھائی! جو کچھ ہوا سو ہوا، ویسے میں گھائے میں نہیں رہا۔ اس مصیبت نے مجھے ایک بڑی دانائی کی بات بتائی ہے کہ شبہ میں کسی غریب کو پریشان نہیں کرنا چاہیے اور یہ سبق بھی سیکھا ہے کہ اپنے غلام سے بھی ہرگز ایسی خدمت نہ لوں گا جیسی مجھ سے لی گئی۔“  
(تخلیل الرحمن، شیخوپورہ)



## چھانکا مانگا

چھانکا مانکا کا جنگل بہت ہے بڑا  
انسانی ہاتھوں سے یہ ہے پھولا پھلا  
آئے اس میں مزید شجر لگائیں  
اور اس کے رقبے کو بڑھائیں  
اگر یہ جنگل پھولے پھلے گا  
پرندوں کو میوہ اور گھر ملے گا  
شجر جب بنائیں گے پتوں کی چھتری  
مسافر کو سایہ گھنیرا ملے گا  
لگائیں گے جتنے شجر ہم زیادہ  
ثواب ہم کو اتنا زیادہ ملے گا

(عظیم الرحمن صدیقی، لاہور)

## سچے دوست کی علامات

- حقیقی اور سچا دوست وہ ہوتا ہے جس میں درج ذیل خوبیاں پائی جائیں۔
- ☆ وہ اپنے دوست کی خامیوں سے واقف ہوتا ہے لیکن دوسروں سے صرف خوبیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔
- ☆ وہ اپنے دوست کی بات توجہ سے سنتا ہے۔
- ☆ وہ اپنے دوست کی خوشی اور غم دونوں میں شریک ہوتا ہے۔
- ☆ وہ دوستی کے تعلق میں بے غرض ہوتا ہے۔
- ☆ وہ اپنے ہاتھ کو ہمیشہ اوپر والا ہاتھ بنائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے کیوں کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔
- ☆ وہ اپنے دوست کی خامیوں اور کمزوریوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔
- ☆ وہ ہر دم اپنے دوست سے تعاون کے لیے تیار رہتا ہے۔
- ☆ کیا آپ کے اندر یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں؟ اگر ہاں، تو یقیناً آپ اچھے اور کامیاب دوست ہیں ورنہ.....؟ (اقرار ضاء، لاہور)

## نماز کی قدر

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ نماز کے لیے تین خصوصی عزتیں ہیں پہلی یہ کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے سر سے آسمان تک رحمت الہی گھٹنا بن جاتی ہے، اس کے اوپر انوار بارش کی طرح برستے ہیں۔ دوسری یہ کہ فرشتے اس کے چاروں طرف جمع

ہو جاتے ہیں اور اسے اپنے کمرے میں لے لیتے ہیں۔ تیسری یہ کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی! اگر تو دیکھ لے تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے بات کر رہا ہے تو خدا کی قسم قیامت تک سلام نہ پھیرے۔ (نازیہ ندیم، راول پنڈی)

## دُعا

دُعا کیا ہے؟ دُعا خدا سے ایک مضبوط رشتہ ہے۔ انسان جب بھی اللہ تعالیٰ سے مائلتا ہے، وہ خوش ہو کر دیتا ہے۔ اس طرح سے انسان کا خدا سے رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ شکوہ ہی کرتا ہے لیکن اسی بہانے وہ خدا سے ہم کلام تو ہوتا ہے اور جب اس کو بعد میں خبر ہوتی ہے کہ خدا جو بھی کرتا ہے، انسان کی بھلائی کے لیے کرتا ہے تو انسان کا شکر سے سجدہ کرنے کو دل کرتا ہے۔ آپ بھی اپنی دُعاؤں پر پورا بھروسہ رکھیے اور خدا سے مانگیے، چاہے چھوٹی سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ (عائشہ صدیقہ، من)

## انمول ہیرے دن مول موتی

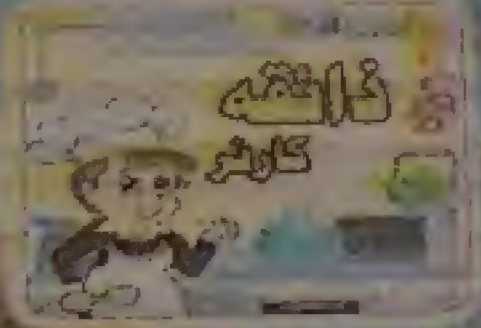
- ☆ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے کہو بسم اللہ۔
- ☆ خدا کے نام پر کچھ دو تو کہو سبیل اللہ۔
- ☆ کوئی اچھی خبر سنو تو کہو سبحان اللہ۔
- ☆ جب خوش محسوس کرو تو کہو فتبارک اللہ۔
- ☆ کوئی تکلیف پہنچے تو کہو یا اللہ۔
- ☆ غلط کام پر افسوس ہو تو کہو استغفر اللہ۔
- ☆ کسی کو رخصت کرنے پر کہو فی امان اللہ۔
- ☆ کسی کی موت کی خبر سنو تو کہو انا للہ وانا علیہ راجعون۔
- ☆ پرکھنا چاہو تو ایمان پر کھو۔
- ☆ پینا چاہو تو اپنے غصے کو پیو۔
- ☆ بیٹھنا چاہو تو اچھوں کی صحبت میں بیٹھو۔
- ☆ کھانا چاہو تو رزقِ حلال کھاؤ۔
- ☆ کرنا چاہتے ہو تو اپنے والدین کی خدمت کرو۔
- ☆ لڑنا چاہو تو شیطان سے لڑو۔
- ☆ دینا چاہو تو خدا کی راہ میں دو۔

☆☆☆

(ثروت یعقوب، لاہور)



## کنا گوشت



## کنا گوشت

### اجزاء:

بکرے کا گوشت: آدھا کلو پیاز، درمیانی: ایک عدد کاٹ کر ثابت سیاہ زیرہ: ایک چائے کا چمچ اورک پیسٹ: تین چائے کے چمچ سرخ مرچ پاؤڈر: تین چائے کے چمچ لہسن پیسٹ: ایک چائے کا چمچ بلوئی پاؤڈر: آدھا چائے کا چمچ دھنیا پاؤڈر: دو چائے کے چمچ گھی: ایک کپ نمک: ایک چائے کا چمچ پانی: ایک کپ آٹا: ایک کھانے کا چمچ

### ترکیب:

مٹکے میں گھی گرم کریں۔ گوشت دھو کر ڈالیں۔ ایک چائے کا چمچ لہسن پیسٹ کو ایک کپ پانی میں حل کر کے ڈالیں۔ دھنیا پاؤڈر، سرخ مرچ پاؤڈر، نمک اور پیاز ڈالیں۔ آدھا گھنٹہ ڈھک کر پکائیں، پھر دو چائے کے چمچ اورک پیسٹ، ہلکی پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ آٹا اور آدھا کپ پانی میں حل کر کے ڈالیں۔ جب گوشت بالکل گل جائے تو ایک کپ پانی اہال کر ڈالیں۔ ایک کھانے کا چمچ آٹا اور آدھا کپ پانی میں حل کر کے ڈالیں۔ جب اُبلنے لگے تو کالا زیرہ ڈالیں، بیس منٹ ہلکی آگ پر پکائیں۔ جب میل نظر آنے لگے تو چولہا بند کر دیں۔ گرم کھانے کے ساتھ سرو کریں۔

## چائیز چکن چائیز

### اجزاء:

مرغ: آدھا کلو بند گوبھی: ایک پیالی سویا ساس: دو بڑے چمچ دو پیالی سیاح مرچ، نمک: حسب ذائقہ گاجر: ایک پیالی ریتون کاٹل: حسب ضرورت کارن فلور: دو بڑے چمچ

### ترکیب:

گاجر اور بند گوبھی کو باریک کاٹ لیں۔ سبز مرچ درمیان سے چیر دیں اور پیاز کاٹ لیں۔ مرغ کے ٹکڑوں کو تیل میں حل لیں۔ گاجر اور بند گوبھی کو اہال لیں۔ اب مرغ کے ساتھ مرچیں، پیاز اور تمام اشیاء دو پیالی پانی میں ڈال کر پکائیں۔ پانچ منٹ بعد دو پیالی گھی اور کارن فلور ملا دیں۔ جب گوشت اہل جائے تو اتار لیں۔ دم دے کر سرو کریں۔

مئی 2015

پاکستان



مضبوط بنایا۔ آج میسور بھارت کا اہم شہر ہے جس کی شرح خواندگی 87 فی صد ہے۔ اس شہر کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ سیاحت ہے۔ بنگلور کے بعد میسور شہر کمپیوٹر سافٹ ویئر میں دوسرا اہم ترین شہر ہے۔ شہر کے شمالی سمت میں دریائے کاوری "Kaveri" اور جنوبی سمت میں دریائے کبینی "Kabini" بہتے ہیں۔ اس شہر کی تاریخی عمارتیں مشہور ہیں۔ یہاں 1892ء سے چڑیا گھر بھی قائم ہے۔ ٹیپو سلطان کو "میسور کا شیر" پکارا جاتا ہے۔ ٹیپو سلطان 4 مئی 1799ء کو دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ کی والدہ کا نام "فاطمہ" اور والد کا نام "حیدر علی" تھا۔

### تمباکو

پوری دنیا میں ورلڈ نو ٹو بیکوڈے "World No Tobacco Day" ہر سال 31 مئی کو منایا جاتا ہے کیوں کہ تمباکو نوشی صحت کی



دشمن ہے۔ تمباکو کا سائنسی نام "Nicotiana Tabacum" ہے۔ تمباکو سگریٹ، سگار، حقے اور پان میں استعمال ہوتا ہے۔ اس پودے کا خاندان "Solanaceae" ہے۔ تمباکو دنیا بھر میں کاشت ہوتا ہے۔ یہ 20 سے 30 سینٹی گریڈ درجہ حرارت پر خوب نشوونما پاتا ہے۔ تمباکو کے پتے 24 انچ یا اس سے بھی زیادہ لمبے ہوتے ہیں جنہیں خشک کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔ تمباکو میں کیمیائی مادہ نیکوٹین "Nicotine" پایا جاتا ہے، خاص کر پتوں میں



### میسور

میسور (Mysore) بھارتی ریاست کرناٹک کا دوسرا بڑا شہر ہے۔ ٹیپو سلطان اسی ریاست کا عظیم و بے نظیر حکمران تھا۔ 16 ویں صدی میں یہ مختصر آبادی والا گاؤں تھا لیکن ہندو مہاراجہ



"N. Vodeyar" کے عہد میں یہ آزاد ریاست کی صورت میں سامنے آیا۔ بعد ازاں مسلم حکمرانوں حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان نے میسور ریاست کو علم و ہنر اور فوجی قوت کے اعتبار سے



کھانوں کے ذائقے کو بڑھانے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے۔

### سونا

سونا (Gold) دنیا کی مہنگی دھاتوں میں سے ایک ہے جو زیورات کی تیاری میں استعمال ہوتا ہے۔ لاطینی زبان میں سونے کو



"Aurum" کہتے ہیں۔ اسی لیے گولڈ کی علامت "Au" ہے۔ اس کا ایٹمی نمبر 79 ہے۔ اس دھات سے حرارت اور کرنٹ باسانی گزر جاتے ہیں۔ سونا فلورین، پوٹاشیم وغیرہ کے ساتھ کیمیائی عمل کرتا ہے۔ سونا ہلکا سرخی مائل پیلا ہوتا ہے۔ یہ دھات سکے، بت، مینار و گنبد وغیرہ کی تیاری میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ سونے کے اجزاء ادویات، سگریٹ کی پٹی، کچھ مٹھائیوں اور سجاوٹ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ دنیا میں سونے کا پہلا سکہ 600 قبل مسیح متعارف کروایا گیا تھا۔ ہر سال دنیا بھر میں چٹانوں سے ہزاروں ٹن سونا نکالا جاتا ہے۔ چین، جنوبی افریقہ، گھانا، مالی، انڈونیشیا اور ازبکستان سونا نکالنے والے بڑے ممالک ہیں۔ مختلف کھیلوں کے مقابلے میں بھی سونے کے تمغے انعام میں دیئے جاتے ہیں۔ بھارت، چین، امریکہ، ترکی اور سعودی عرب سونا استعمال کرنے والے بڑے ممالک ہیں۔ ☆☆☆

2 سے 8 فی صد تکوٹین پائی جاتی ہے۔ تکوٹین حشرات مارنے والی ادویات میں استعمال ہوتی ہے۔ تمباکو کا دھواں پیپیروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ تمباکو کی پیداوار میں چین کے بعد بھارت، برازیل، امریکہ اور زمبابوے سرفہرست ہیں۔

### خمیر

خمیر (Yeast) کو کہا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کی فنگس (Fungus) ہے جس کا تعلق "Ascomycota" گروپ سے ہے۔ اس کی 1500 اقسام دریافت ہو چکی ہیں۔ یہ یک خلوی جاندار ہیں جن میں نیوکلئس بھی پایا جاتا ہے۔ پیسٹ کے سیل (Cell) کا سائز کئی طرح کا ہوتا ہے۔ البتہ سیل کا ڈایا میٹر 3 سے 4 مائیکرون میٹر ہے لیکن کچھ اقسام میں سیل کا سائز 40 مائیکرون میٹر تک جا پہنچتا ہے۔ پیسٹ کا سائنسی نام "Saccharomyces Cerevisiae" ہے۔ یہ فنگس تیزابی پی ایچ (Acidic PH) کو پسند کرتی ہے۔ بڈنگ (Budding) کے ذریعے نسل آگے



بڑھاتی ہیں۔ یہ فنگس خمیری روٹی، کیک، بن، پیزا، شوارما اور شراب وغیرہ کی تیاری میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ "Dough Nuts" کی تیاری میں بھی یہی فنگس شامل کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف



۱۔ لیاقت علی خان ۲۔ مولانا الفریضی خان ۳۔ قائد اعظم

10۔ منجھ سچ مرلی کا لفظ ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟

۱۔ گنتے والا ۲۔ تسبیح پڑھنے والا ۳۔ عبادت کرنے والا

## جوابات علمی آزمائش اپریل 2015ء

- 1۔ لال بیک 2۔ سورۃ المریم 3۔ چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے  
4۔ سورۃ الناس 5۔ چاندی 6۔ آگنی میسر 7۔ سوڈیم سلیکیٹ  
8۔ انٹارکٹیکا 9۔ 1817ء 10۔ زین یار جنگ

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قلم اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

ہفتہ طلحہ بشت آصف، پشاور (150 روپے کی کتب)

ہفتہ سنیہ وجیہہ ضمیمہ، پشاور (100 روپے کی کتب)

ہفتہ مریم رضوان، راول پنڈی (90 روپے کی کتب)

دامغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام یہ ذریعہ قلم اندازی:

احمد ارشاد مغل، لاہور۔ احسن افضل، جھنگ صدر۔ محمد اکرم صدیقی، ہرنولی۔

لائیہ طارق، فیصل آباد۔ حذیفہ مزاری، صادق آباد۔ مریم نعیم، راول

پنڈی۔ مائرہ حنیف بہاول پور۔ اخلاق احمد، فیصل آباد۔ وردہ زہرہ، طوبی

زہرہ، جھنگ صدر۔ اسامہ خباب علی، چکوال۔ محمد عثمان حمید، کاموٹکے۔ مریم

انجاز، لاہور۔ احمد ابراہیم حسن، لاہور۔ محمد سلیمان زیب، کوہاٹ۔ احمد

عبداللہ، ملتان۔ محمد شادمان صابر، لاہور۔ عزت مسعود، فیصل آباد۔ محمد احمد

خان غوری، بہاول پور۔ حارث علی مان، واربرٹن۔ اریبہ شمرین، عبدالباقار،

شہزادی خدیجہ شفیق، رانیہ عمران، سید عبداللہ حسن، لاہور۔ محمد حمزہ، راول

پنڈی۔ محمد شفقت سیال، جھنگ۔ حافظ عائشہ سمیع، کراچی۔ محمد اسحاق،

پشاور۔ کشف طاہر، فجر خان، نوشہرہ۔ رضوان اشہد، عائشہ ذوالفقار، لاہور۔

محمد قمر الزمان صائم، خوشاب۔ ناظرہ مقدس، شرقپور۔ سیرت فاطمہ فاروقی،

رحیم یار خان۔ عاطف ممتاز، تلہ گنگ۔ علی عبدالباسط، ایک۔ احمد بن طاہر،

منڈی بہاؤ الدین۔ اذکی تحریم، میانوالی۔ ماریہ نوید، سارہ خالد، فیصل آباد۔

محمد شوال ندیم، اڈاکاڑہ۔ اسد جاوید، لاہور۔ عبید اسماعیل، راول پنڈی۔ محمد

قاسم، لاہور۔ معوذ الحسن، ڈیرہ اسماعیل خان۔ مقدس چوہدری، راول

پنڈی۔ محمد علی حذیفہ، گوجرانوالہ۔ اظہر عباس، چنیوٹ۔ ثانیہ طلعت، سیال

کوٹ۔ حفصہ انجاز، صوابی۔ عشاء نور، سیال کوٹ۔ اہیہ فجر ظفر قریشی،

میرپور آزاد کشمیر۔ معزہ فاطمہ، ڈیرہ غازی خان۔ عدن سجاد، جھنگ۔ محمد احمد

جواد، چشتیاں۔ صفی الرحمن، لاہور۔ محمد ہارون آصف، واہ کینٹ۔ مشعال آصف،

لاہور۔ زوبیہ احمد، کراچی۔ محمد الریان، گجرات۔ عرشہ شہزاد، گوجرانوالہ۔

تہنیت فاطمہ، رحیم یار خان۔ محمد مجیر خان، بھکر۔ حافظ محمد فییب، وزیر آباد۔



درج ذیل دیئے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے پردادا کا کیا نام تھا؟

۱۔ قیدار ۲۔ ہاشم ۳۔ نفیس

2۔ علامہ اقبال کا شعر مکمل کیجیے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

3۔ وہ جگہ جہاں کسی قسم کا مادہ نہ ہو، کیا کہلاتی ہے؟

۱۔ پیاز کی چوٹی ۲۔ خلا ۳۔ سمندر کی تہ

4۔ قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ کس نے اٹھایا ہے؟

۱۔ نبی اکرم ۲۔ اللہ تعالیٰ ۳۔ فرشتے

5۔ قاتر پروٹ اور وائر پروٹ کا غذ کس نے ایجاد کیے؟

۱۔ نیوٹن ۲۔ جابر بن حیان ۳۔ آئن سٹائن

6۔ گھنچے پن کی بیماری کس حیاتیات کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے؟

۱۔ وٹامن بی ۲۔ وٹامن ایچ ۳۔ وٹامن ڈی

7۔ کرکٹ بیٹ کی چوڑائی کتنی ہوتی ہے؟

۱۔ چار انچ ۲۔ سوا چار انچ ۳۔ ساڑھے چار انچ

8۔ پاکستان کا کون سا شہر ٹیلی فون انڈسٹری کی وجہ سے مشہور ہے؟

۱۔ ہری پور، ہزارہ ۲۔ ٹیکسلا ۳۔ گجرات

9۔ 3 جون 1947ء کو ریڈیو سے پہلی بار کس شخصیت نے پاکستان زندہ

باد کا نعرہ لگایا؟



## ٹیپو سلطان کی وصیت



تو رہ نور و شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول !  
 لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محل نہ کر قبول !  
 اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے شند و تیز !  
 ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول !  
 کھویا نہ جا صنم کدہ کائنات میں !  
 محفل گداز! گرمی محفل نہ کر قبول !  
 صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے  
 جو عقل کا غلام ہو، وہ دل نہ کر قبول !  
 باطل ڈوئی پسند ہے، حق لا شریک ہے  
 شرکت میاں حق و باطل نہ کر قبول !

علامہ اقبالؒ نے سلطان ٹیپو شہید کی زبانی عاشق حق کی شان بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنے نصب العین کو نگاہ میں رکھتا ہے اور دنیا کی دلچسپیوں کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اس کا دل عقل کا غلام نہیں ہوتا اور وہ ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر ہر حال میں اپنے فرض کی بجا آوری کو مقدم رکھتا ہے۔ اس کی زندگی حق کے لیے وقف رہتی ہے اور وہ کسی بھی مرحلے پر حق کے ساتھ باطل کو شریک نہیں کرتا۔





اس پر حملہ آور ہو جاتے۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے جب کہ وہ کار کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ☆  
 ”یہ کوئی موٹر سائیکل ہے!“ اس نے لات مار کر اس موٹر سائیکل کو گرا کر کہا۔ گاڑی گلی کے درمیان میں جا گری۔ اس کے ابو ایک دم پریشان ہو گئے۔ انہوں نے پکڑ کر اسے گاڑی کی جانب کرنے کی کوشش کی جب کہ انصار اس طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔  
 ”تم اس گاڑی کو دیکھو تو سہی بیٹا!“

”نہیں! مجھے ایسی بے سُرری گاڑی بالکل بھی نہیں چاہیے۔“  
 انصار نے اطمینان سے جواب دیا۔  
 ”اے چلا کر تو دیکھو تم! بے حد اچھی ہے، تم اس کی صورت پر مت جاؤ۔“ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”ہونہہ..... صورت!“ اس نے انتہائی نخوت سے کہا۔ اس کے والد اس کی شکل دیکھتے رہ گئے۔ اپنے گھمنڈ میں اس نے گاڑی کو چلانا تو کجا ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کیا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کس طرح بارہ ہزار روپے خرچ کر کے انہوں نے اس کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے گاڑی روڈ پر چھوڑی اور ایک طرف چلا گیا۔ انصار صاحب نے گاڑی اٹھائی اور بوجھل قدموں سے گھر کی طرف چل دیئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ یہ گاڑی وہ خود چلائیں گے۔ ☆  
 اُن چاروں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کی گاڑی پر ہاکیوں سے وار شروع کر دیا۔ ان میں سے دو کار کے اگلے حصے میں اور دو نے

اُس کی محنت قابل دید تھی۔ وہ اپنی نئی چیمپاتی گاڑی کو اور چکانے میں مصروف تھا۔ دیکھا جائے تو یہ کام وہ خواہ مخواہ کر رہا تھا، اس نے یہ گاڑی تین دن قبل ہی تو خریدی تھی۔ ابھی تو کمپنی کے کپے ہوئے رنگ پر گرد کا کوئی نشان بھی نہیں آیا تھا لیکن وہ اس کو پھر بھی کپڑے سے صاف کرنے میں خوشی محسوس کر رہا تھا۔  
 اچانک ہی وہ چونک گیا۔ اس کو اپنے پیچھے تیز قدموں کی آواز محسوس ہوئی۔ یہ ایک فرد کے قدموں کی آواز ہوتی تو وہ پریشان نہیں ہوتا لیکن تین چار افراد کی آمد کا اشارہ تھا۔ ان کی آپس کی آوازوں نے اُسے ایک انداز سے خوف زدہ کر دیا تھا۔ جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے اندر کے خدشات کچھ سچ ہوتے نظر آئے۔  
 وہ چار افراد تھے جو بے حد مشتعل نظر آ رہے تھے۔ ان کے عزائم کچھ اچھے نہ تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں ہاکیاں تھیں۔

”سگ..... کیا بات ہے ایسے کیوں اندر چلے آئے؟“

وہ اپنے گھر سے ملحقہ گیراج میں تھا، اس لیے ان کا بغیر اجازت داخل ہونا کسی خطرے کا سبب تو بہر حال تھا۔ انہوں نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے عملی اقدام اٹھایا جو اس کے حواس اُڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ ان چاروں کی ہاکیاں بلند ہو چکی تھیں اور ان کا رخ اس کی نئی چیمپاتی کار کی طرف تھا۔ اس کو غش سا آنے لگا۔ اگر وہ ان کو روکنے کی کوشش کرتا تو ہو سکتا ہے کہ پہلے وہ



پچھلی جانب حملہ کیا۔ ایک نے ہیڈ لائٹس توڑیں تو دوسرے نے بونٹ پر اسٹک ماری۔ وہ بھٹا کر رہ گیا۔ اس نے ایک حملہ آور کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچنے کی کوشش کی تو اس نے پوری طاقت سے اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ وہ غصے سے پھر اٹھا تو ایک نے ہاکی اس کی کمر پر رسید کی۔ اگلی کوشش پر اسٹک شدت کے ساتھ اس کے سر پر پڑی۔

”میرا قصور کیا ہے؟“ وہ اپنی نئی نوٹی ملی کار کے ساتھ ہوتا ظلم دیکھ کر چلا اٹھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اسے کوئی ایسی امید تو نہیں تھی کہ وہ ایسے کسی حملے سے بچنے کا کوئی بندوبست کر کے رکھتا۔

”تم ہو ہی اسی لائق.....“ ایک نے زور سے کہا اور وہ چاروں پھر کار کا حلیہ بگاڑنے میں مصروف ہو گئے۔ اس کی اگلی کوشش میں ان چاروں نے اسے اچھی طرح مارا اور پھر گاڑی کی توڑ پھوڑ میں مصروف ہو گئے۔ جب وہ اچھی طرح اپنا غم و غصہ نکال چکے تو جانے کے لیے نڑے۔ وہ زخمی ہو کر زمین پر گر چکا تھا۔

”تم نے اسی کار سے پرسوں ہمارے دوست کو نری طرح زخمی کیا تھا۔“ ان میں سے ایک بولا۔

”ہم نے تم سے اپنے دوست کا بدلہ لے لیا ہے۔“ دوسرے نے کہا۔

”جس گاڑی کو تم بھگاتے ہوئے لے گئے تھے ہم نے اس کا حشر نشر کر دیا ہے۔“ تیسرے نے گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تو شکر کرو کہ ہم تمہیں زندہ چھوڑے جا رہے ہیں۔“ چوتھے نے ایک بار پھر کار پر اسٹک ماری اور پھر یہ چاروں دوڑ کر اس کے گیراج سے نکلنے چلے گئے۔

وہ زخمی حالت میں بائیس لاکھ کی لاگت سے خریدی ہوئی گاڑی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا جو تین ہی دن میں اس کے لیے وبال بن گئی تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ آنکھوں میں حادثے کا وہ منظر گھوم گیا جو دو روز قبل کہے وہ فرار ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا لیکن یہ محض اس کی خام خیالی تھی۔ زخم کی شدت سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

”امی! میں ایسی بے کار موٹر سائیکل قطعی نہیں لوں گا۔“ اپنے والد کا دل توڑنے کے بعد وہ اپنی والدہ کی گردن میں بائیس ڈال کر لاڈ کا اظہار کر رہا تھا۔

”بیٹا! تمہارے ابو کی جو گنجائش تھی، اس کے مطابق انہوں نے تمہارے لیے موٹر سائیکل لے دی۔ اب تم اس سے کام چلاؤ۔“ انہوں نے بھی اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ انصار ہی کیا جو کسی کی بات سمجھ جائے۔ وہ بے چاری اپنا سامنہ لے کر رہ گئیں۔

اس کو ہوش آیا تو وہ اسپتال میں تھا۔ اس کے سر اور ہاتھ پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اس کا کافی خون ضائع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے خون کی بوتل بھی لگا دی تھی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ اس کے کسی پڑوسی نے دروازے سے بہتا خون دیکھ کر فوری مدد کے لیے رجوع کیا تھا اور اسے بے ہوشی کی حالت میں بر وقت اسپتال لے آئے تھے۔ خون اور بہتا رہتا تو حالت خطرے میں بھی ہو سکتی تھی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اچانک سر میں درد کی ٹیس اٹھی اور اس نے پھر سر تکیے سے ٹکا دیا۔

”بھائی صاحب! بٹنے کی کوشش نہ کرو۔“ نرس نے اس کے ہاتھ میں لگی خون کی ٹنگی کو درست کرتے ہوئے کہا۔ ”ابھی دو روز تک تم بالکل نہیں ملو گے۔“ اس نے اسے سمجھایا۔

اس کے جواب میں اس کے ہونٹوں نے صرف جنبش کی۔ اس کی آواز حلق سے نہ نکل سکی۔

”تمہارے ایکسریز بھی لینے ہیں، ہڈیوں کو چیک کرنا پڑے گا۔ خدا خواست.....“ اس نے افسردگی سے کہا۔ ”حملہ آوروں نے کچھ اچھا نہیں کیا۔“

اسے اس جوان کی ایسی حالت پر افسوس بھی تھا۔ وہ نرس کی باتیں سنتے سنتے پھر غیند کی وادی میں کھو گیا۔

”میرے پاس حلال کی کمائی ہے اور اس میں ایسی ہی موٹر سائیکل دلا سکتا تھا۔“ وہ اپنے والد سے مستقل تکرار کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے والد اسے نئے ماڈل کی گاڑی دلا دیں اور وہ اسے اپنی مجبوری سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھے مگر وہ سمجھے تو.....

”آپ کی دولت اگر ہمارے ہی کام نہ آئی تو پھر کس کے کام آئے گی۔“ وہ اپنے والد کو زیر بار کرنا چاہتا تھا۔

”تم نے کہاں دیکھ لی ہے میری دولت۔“ وہ روہانے ہو کر بولے۔ بچہ جوان ہونے لگے تو والدین کتنے مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کا دل اندر سے رو رہا تھا۔ انہوں نے بارہ ہزار بھی کس طرح جمع کیے تھے وہ ہی جانتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے نئی گاڑی لے کر دی جائے۔

”آپ چاہیں تو وہ دکان بیچ سکتے ہیں جو آپ نے تیس ہزار کی لی تھی اور اب وہ تین لاکھ کی ہو چکی ہے۔“

اس نے اپنے والد کو الٹا مشورہ دیا۔

”تم تو ہوا حق، اس دکان سے تین ہزار ماہوار کرایہ آتا ہے۔ اس سے ہمارے بجلی گیس کے بل ادا ہو جاتے ہیں۔“ وہ غصے سے



بولے۔ ”تم چاہتے ہو تمہاری فضول خواہشات کو پورا کرنے کے لیے میں اپنی جائیداد بیچ دوں۔“

وہ بار بار انہیں غصہ دلاتا رہا اور وہ پریشان ہوتے رہے لیکن انصار کسی طرح بھی نہ مانا اور اس نے اس گاڑی کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اس کی والدہ نے اپنے شوہر کو سمجھانا چاہا لیکن وہ ان کی مجبوری بھی جانتی تھی، اس لیے کہہ سن کر خاموش ہو گئی۔

اس کے اور والد کے درمیان ایک سرد جنگ شروع ہو چکی تھی۔ وہ انہیں باپ کا مقام دینے کو تیار نہ تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اسے ہر طرح کی من مانی کرنے کی اجازت دی جائے۔ گویا وہ ان کا باپ بننے کو تیار تھا اور یہ کسی طور اس کے والد کو گوارہ نہ تھا۔ اس کے والد اسے جس سمت لے جاتا چاہ رہے تھے، وہ اس پر چلنے کے لیے تیار نہ تھا۔

اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ کسی طور ایسے گھر میں نہیں رہے گا جہاں اس کی خواہشات کا احترام نہیں کیا جاتا، اس کے دل کے ارمان پورے نہیں کیے جاتے۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ کسی طور اڑ کر کسی اور ملک پہنچ جائے جہاں محنت کر کے کمائے اور اس کے پاس گاڑی، بنگلہ اور زندگی کی دیگر مراعات ہوں لیکن باہر جانے کے لیے بھی اچھی خاصی رقم اور ہنر کی ضرورت تھی اور یہ دونوں اس کے پاس نہ تھے۔

انٹر اس نے محنت سے پاس کر لیا تھا۔ وہ آگے پڑھتا بھی رہا اور ملازمتوں کے لیے انٹرویوز دینا بھی شروع کر دیئے۔ یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ اسے یو ڈی سی کی ملازمت چند انٹرویوز کے بعد مل گئی۔ مزید یہ کہ وہ ایک ایسی سیٹ پر بیٹھ گیا جہاں اس سے کام کرانے کے لیے لوگوں نے مال دینا شروع کر دیا۔ افسران بالا کی رضامندی کے ساتھ اس کا کام چل نکلا۔ وہ دن بدن اپنا بینک بیلنس بڑھانے لگا۔ باپ کے اعتراضات سامنے آئے تو اس نے سرکاری فلیٹ لے کر وہاں جا کر رہنا شروع کر دیا۔ اپنی زندگی کے معاملات وہ خود سرانجام دینے لگا۔ اس کا خیال یہ تھا کہ اس کے والدین اس کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ ہیں، وہ الگ رہ کر اپنا خوش گوار مستقبل بنائے گا۔ اس کے والد کا یہ کہنا تھا کہ تم جہنم کا ایندھن خرید رہے ہو جو ہمارے لیے بھی بدبختی کا سبب بنے گا۔

اس نے اپنی والدہ سے رابطہ رکھا۔ ان کی مالی مدد کی کوشش کی لیکن وہ اس معاملے میں اپنے شوہر کی ہم نوا تھیں۔ انہوں نے اس کی رقم یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ انہیں حرام کے ایک لقمے کی بھی تمنا نہیں ہے۔

اپنی پسند کی شادی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی مرضی کا گھر بناتا رہا۔ رشوت کی رقم سے کبھی پردے تو کبھی قالین اور کبھی ایر کنڈیشن

خریدتا اور دل ہی دل میں خوش ہوتا تھا۔ اس نے اب نئی سویر سائیکل لی تھی تو جاننا بوجھ کر اپنے والد کے کہنے کے آگے سے کئی بار پریش ہارن بجا کر نزاری تھی اور یہ باور کرایا تھا کہ تم نے جو کام نہیں کیا وہ میں نے خود کر لیا ہے۔ اس کے والد اسے کڑھنے کے اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ انصار کا اکا ٹارگٹ کار تھی۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ مارتا رہا اور رقم پس انداز کرتا رہا۔ دونوں میاں بیوی جلد از جلد گاڑی لے لینا چاہتے تھے۔

کار کے معاملے میں بھی اس نے یہی سوچ رکھی تھی کہ وہ لے گا تو نئی کار۔ جب اس نے چند لاکھ جمع کر لیے تو اس کا شوق انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ گاڑی بائیس لاکھ کی تھی۔ اب اس سے صبر نہ ہوا تو اس نے اپنا پچھلے سال خریدا ہوا فلیٹ بھی بیچ دیا۔ اس نے سوچا کہ کچھ عرصے کرائے پر رہ لوں گا، پھر کوئی بڑا مال ہاتھ لگ گیا تو مکان بھی لے لیں گے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ رشوت کا مال جمع کر کے اس نے جو گاڑی خریدی ہے، وہ زیادہ عرصہ اس کا ساتھ دے گی بھی کہ نہیں۔ اگلے ہی دن تیز رفتاری کے باعث وہ ایک نوجوان کو شدید زخمی کر بیٹھا اور دو روز بعد اس نوجوان کے ساتھیوں نے نہ صرف اسے زخمی کیا بلکہ اس کی گاڑی کا حلیہ بھی بگاڑ گئے۔ ☆

”تم نے کتنے سال لگا دیئے مال حرام جمع کرنے میں..... اور ہوا کیا.....؟“

اس کے والد نے اس سے کہا تو وہ منہ سے تو کچھ نہ بولا لیکن اس کی آنکھوں سے ایک سیل آہ رواں ہو گیا۔

”میں نے آپ کو بہت ستایا ہے ناں ابو!“ اس کو اپنے تمام جرم یاد تھے۔

”مجھے تمہاری اس حالت پر بے حد افسوس ہے بیٹا!“ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ ”اللہ تمہیں صحت دے۔“ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس کی امی نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا۔ کچھ دیر پہلے تک اسے جو زخم انگارے لگ رہے تھے، اب پھول بن چکے تھے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اس نے کئی سال حرام کما کر جو کچھ جمع کیا، وہ اس کے کیا کام آیا۔

”اب میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو میرے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف ہو۔ اب والدین کو ستاؤں گا، نہ ہی رشوت خوری کر کے اپنے آپ کو گناہ گاروں کی صف میں شامل کروں گا۔“ یہ اس کی توبہ تھی اور ہر مسلمان کو یہ یقین ہے کہ سچے دل سے، وقت پر کی گئی توبہ ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ ☆☆☆





# اونٹ کے منہ میں زیرہ

نکال کر پلیٹ میں رکھ دیا۔ ندانے اس کا ایک ہی نوالہ بنایا اور خالی پلیٹ پھر ماں کے آگے بڑھاتے ہوئے بولی:

”یہ ذرا سا نوالہ تو ایسے ہے جیسے اونٹ کے منہ میں زیرہ ڈال دیا ہو، کچھ پتا ہی نہیں چلا کہ کیا کھایا؟“ یہ سن کر امی کو ہنسی آ گئی۔

”تم نے مان لیا کہ بیج بیج کی اونٹ ہو، مگر اب سب کا حصہ نہ

چرا جاؤ، یہ لو اپنے حصے کے پوڑے، اب انہیں بھی زیرہ نہ بنا لینا،

جاؤ آرام سے میز پر جا کر کھاؤ۔“ امی نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

انہیں اس کی یہ اونٹ کے منہ میں زیرہ والی بات بہت پسند آئی۔

دراصل جب کبھی کسی کو اس کی جسامت اور عمر کے لحاظ سے کم

چیز ملتی ہے تو یہی ضرب لٹل کہی جاتی ہے۔ ☆☆☆

ندا بارش میں بھجکتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تو اسے پکوان تلنے کی خوشبو آئی۔ وہ مارے خوشی کے بے تحاشا دوڑتی ہوئی اندر آئی اور کتابیں میز پر رکھ کر کچن کی طرف بھاگی۔ دروازے میں ماما سے ٹکراتی ہوئی تو سامنے پڑی نرالی سے جا ٹکرائی۔ تین چار برتن فرش پر لڑھک گئے۔ ”امی جی!..... السلام علیکم! کیا پکا رہی ہیں؟“ وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولی۔

”علیکم السلام! جیتی رہو..... تحمل تو کرو، اتنی بدحواس کیوں ہو گئی ہو؟“ ماں نے ہنس کر کہا۔

”کیسی اچھی خوشبو آ رہی ہے..... کیا بنا رہی ہیں؟“ ندانے پھر پوچھا۔

”اتنے دنوں بعد بارش ہوئی ہے، اسی خوشی میں میں نے سوچا

کہ تم بچوں کے لیے پوڑے بنا لوں۔“ امی نے کہا۔

”تو کیا بن گئے؟ دکھائیں ذرا۔“ وہ بے صبری سے بولی۔

منہ میں پانی بھرا آیا تھا۔

”چھوٹی بہن اور بھائی کو بھی آ لینے دو، پہلے جا کر یونی فارم

بدلو، منہ ہاتھ دھو لو!“ امی نے خفا ہو کر کہا۔

”نہیں امی..... پہلے پکھا تو دیں تھوڑا سا۔“ ندانے ضد کی۔

”ہائے ہائے لڑکی! کیا ہو گیا ہے تجھے، اونٹ جتنی لمبی ہو گئی

ہے مگر عقل نہیں آئی!“ امی خفا ہو گئیں۔

”میں اونٹ بے چارے کو بہت بھوک لگی ہے، ایک پوڑا دے

دیں ناں؟“ اس نے امی کی منت کی تو انہوں نے ایک چھوٹا پوڑا





## گھوج (کا) بچے

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

دادی جان بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے باوجود بہت چاق و چوبند رہتی تھیں۔ وہ بہت نرم دل اور خوش مزاج بھی تھیں۔ فارغ وقت میں بہد کا ہاتھ بھی بڑا تھیں اور چھوٹے بچوں کا خیال رکھتیں۔ گھر کے سب بچے ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کے پاس ہر وقت کھانے پینے کی چیزیں رکھی رہتیں جو وہ اکثر بچوں کو بانٹ دیتی تھیں۔

ایک دن صبح معمول دادی جان تخت پوش پر بیٹھی تھیں۔ ان کے سامنے پھل اور سبزیاں بھی رکھی تھیں۔ اب بچے بھی ان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ دادی جان نے بچوں کو دماغی ورزش کے لیے آزمائش میں ڈال دیا۔

”سنو بچو! اگر آپ نے میری پہلی بات بتا دی تو انعام میں آپ کو پھل دوں گی۔“ سب بچوں نے خوش ہو کر کہا۔ ”ضرور ضرور! ہم سوچ کر بتائیں گے۔“ ”تو سنو!“

میں ایک پھل ہوں کھا بیٹھا      بچے شوق سے کھاتے ہیں  
آخری دونوں حرف مٹا کر      سبزی مجھ کو بناتے ہیں

یہ سنتے ہی بچوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ سوچنے لگے۔ آپ کے منہ میں بھی پانی بھر آیا.....؟ آپ جلدی سے سوچ کر بتائیں۔

اپریل 2015ء میں شائع ہونے والے ”گھوج لگائیے“ کا صحیح جواب یہ ہے:

چار روپے کی 80 چڑیاں، 95 روپے کے 19 تیر اور ایک کبوتر ایک روپے کا ہوگا، لہذا 100 پرندے 100 روپے میں ہو گئے۔



اپریل 2015ء کے گھوج لگائیے میں قرعہ اندازی کے ذریعے درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں:

- 1- اظہر عباس، بھوانہ
- 2- نفیسہ فاطمہ قادری، کاموکی
- 3- محمد احمد خان غوری، بہاول پور
- 4- لیمل گلزار، گوجرانوالہ
- 5- حاجرہ یوسف، بنوں



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹریوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



6- صدیوں کا ہے اک گلزار  
پھول ہیں جس کے بے شمار

7- چار ایسے بھی سلطان  
جن کا محل نہ مکان

جن کا نوکر نہ دربان  
جن کا سکھ نہ فرمان

8- باؤں نہیں پھر بھی رواں ہے  
تمبھی یہاں تو کبھی وہاں ہے

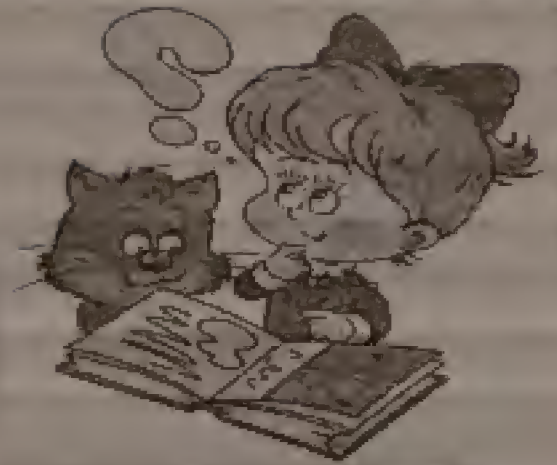
(مقدس چوہدری، راول پنڈی)

9- ایک پھل کے سر پر تاج  
سوچ سمجھ کر بتاؤ میرے لال

(ارفع خالق)

۱۳۰-۵۰ شمس ۸۰-۴۰ شمس ۱۰۰-۳۰ شمس ۱۵۰-۲۰ شمس ۲۰۰-۱۰ شمس  
۱۳۱-۵۰ شمس ۸۰-۴۰ شمس ۱۰۰-۳۰ شمس ۱۵۰-۲۰ شمس ۲۰۰-۱۰ شمس

## پوچھو تو جانیں



1- چار پائے ایک سوار

پچھلے بندے بے شمار

2- بڑی جائے ایک بار

چھوٹی جائے بار بار

3- پھوٹی قسمت پھوٹے بھاگ

گری بھی تاپے آگ

4- جیسے اُس کا آنا اچھا

ویسے اُس کا جانا اچھا

چپ رہ کر تم اسے بلاؤ

باتیں کر کے اسے بھگاؤ

5- چار ہیں رانیاں ، ایک ہے راجا

ہر اک کام ہے ان کا سا جھا



راستہ بتاؤ  
تمہیں امید کواں کے ابانے ایک خط لپٹے ڈاک خانے  
بھیجا ہے مگر اسے راستہ معلوم نہیں۔ کیا آپ اسے  
راستہ بتا سکتے ہیں؟



لا مسکرا کر بولے: ”ہر چیز موت سے بھاگتی ہے۔“ (شامداد، کراچی)

طلحہ: ”مجھے انگریزی کے پروفیسر بہت پسند ہیں۔“

عمر: ”اس کی کوئی خاص وجہ؟“

طلحہ: وہ کلاس میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے مجھے کلاس سے

باہر نکال دیتے ہیں۔ ☆

سپاہی (افیشی سے): ”تم سڑک پر نشے میں دھت پڑے ہو، فوراً

میرے ساتھ تھانے چلو۔“

افیشی: ”اگر مجھ میں چلنے کی ہمت ہوتی تو گھر نہ چلا جاتا۔“ (کل ہما، لاہور)

استاد (شاگرد سے): ”وہ کون سی چیز ہے جسے سونگھ کر آدمی بے ہوش

ہو جاتا ہے؟“

شاگرد: ”سرا میرے بڑے بھائی کے موزے۔“ ☆

ایک صاحب نے پہلوان سے پوچھا: ”تم ایک وقت میں کتنے آدمی

اٹھا سکتے ہو؟“

پہلوان نے فخریہ انداز میں جواب دیا: ”کم سے کم دس آدمی۔“

”بس؟ تم سے اچھا تو ہمارا مرغا ہے جو صبح صبح پورے محلے کو اٹھا دیتا ہے۔“

☆

ایک شخص کو کرائے کا مکان چاہیے تھا۔ وہ اسی سوچ میں گم دریا کے

کنارے پہنچا، جہاں اسے ایک تربوز ملا۔ اس نے اسے کاٹ کر دو

تکڑے کیا تو تربوز کے اندر سے جن برآمد ہوئے اور اس نے کہا:

”کیا حکم ہے میرے آقا.....؟“

اس شخص نے کہا: ”مجھے کرائے کا مکان چاہیے۔“

جن نے کہا: ”مجھے کرائے کا مکان ملتا تو میں تربوز کے اندر

کیوں رہتا۔“ (احقر دانا کامران، لاہور)

آدمی (بھکاری سے): ”گھر گھر جا کر تمہیں بھیک مانگتے ہوئے شرم

نہیں آتی؟“

بھکاری: ”کیا کروں، میرے گھر آ کر کوئی بھیک دیتا ہی نہیں۔“ ☆

مالک (نوکر سے): ”جاؤ بازار سے سبزی اور پھل لے آؤ اور دیکھو

دیر نہ لگانا، بجلی کی طرح جانا اور بجلی کی طرح آنا۔“

نوکر (معصومیت سے): ”لیکن بجلی تو جا کر کئی کئی گھنٹے واپس نہیں آتی۔“

☆

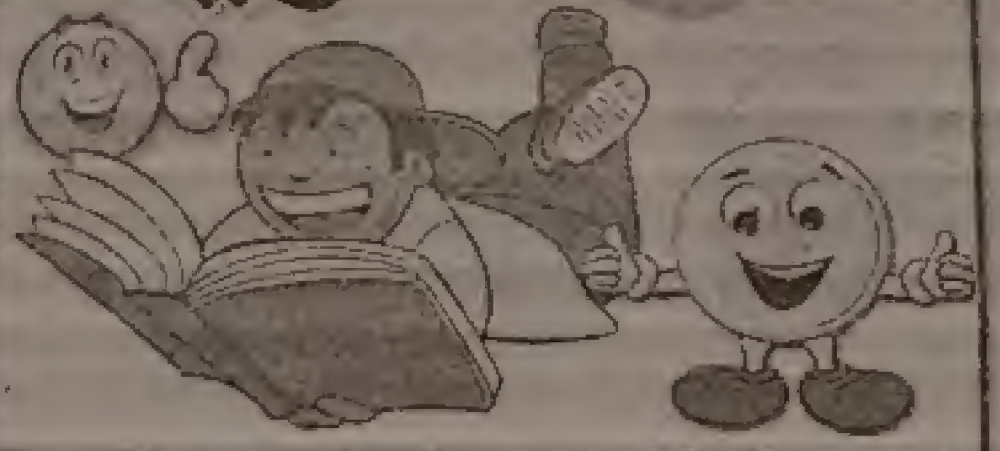
ایک ننھی کسی سنبے کے سر پر بیٹھی تو دوسری کبھی نے پوچھا: ”تم نے

اتنا بڑا گھر بنالیا؟“

بجلی کبھی نے جواب دیا: ”ابھی گھر کہاں بنایا، ابھی تو صرف پلاٹ

خریدا ہے۔“ (کلیمنہ زہرہ، لاہور)

## مسکرائے



پہلا آدمی (دوسرے سے): ”میں موسم سرما میں کوئی کام نہیں کرتا۔“

دوسرے نے پوچھا: ”اچھا تو پھر تم موسم گرما میں کیا کام کرتے ہو؟“

پہلا آدمی: ”موسم سرما کے آنے کا انتظار۔“ (محمد کلیب، بہاول پور)

ایک دوست (دوسرے سے): ”کاش میں وقت ہوتا، لوگ میری

بڑی قدر کرتے۔ ہر شخص میرا غلام ہوتا، لوگ میرے پیچھے بھاگتے

لیکن میں کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔“

دوسرا دوست: ”اگر تم وقت ہوتے تو لوگ دروازے اور کھڑکیاں

بند کر لیتے۔“

پہلا دوست: ”وہ کیوں؟“

دوسرا دوست: ”لوگ کہتے ہٹ جاؤ بھائی! دیکھو کتنا بڑا وقت آرہا ہے۔“

(شائزہ شاہین، بہاول پور)

ٹیچر: ”اے بی سی سناؤ۔“

لائیہ: ”اے بی سی۔“

ٹیچر: ”اور سناؤ!“

لائیہ: ”اللہ کا شکر ہے آپ سنائیں۔“ (سید محمد موسیٰ)

بس میں سفر کے دوران ایک لڑکے کا ہاتھ ایک آدمی کی جیب سے

نکرا گیا۔ وہ آدمی غصے سے بولا: ”تم کیا کر رہے ہو؟“

لڑکا معصومیت سے بولا: ”جی میں میٹرک کر رہا ہوں۔“

(مقدس چوہدری، راول پنڈی)

ماں نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: ”یاد رکھنا بیٹا، ہم اس دنیا

میں لوگوں کی بھلائی کے لیے آئے ہیں۔“

بیٹا (ماں سے): ”اور لوگ دنیا میں کیوں آئے ہیں؟“ ☆

ایک دن ملا نصیر الدین نے سوچا کہ اخروٹ توڑ کر کھائیں۔ انہوں

نے اخروٹ پر پتھر مارا تو وہ اچھل کر غائب ہو گیا۔





کچھ بڑا تھا جو پچھلے دو سال سے ہم سوچ رہے تھے۔ لیکن درست رائے اور حکمت نکلی نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی کر دیتے۔ آج باتوں باتوں میں ”مرچو“ کے مشورے نے سب کو چونکا دیا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اس کی یہ رائے سب کو پسند آئی۔ اس کے لئے انہوں نے لنگوٹ کس لئے۔

وہ عورتیں جو عمر رسیدہ ہو جاتی ہیں، ان کی اکثر عادتیں بڑی عجیب ہو جاتی ہیں۔ جیسے کسی ایکسپارٹ چیز کو استعمال کرنا یا چھیڑنا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، ویسے ہی ان عورتوں سے شرارت کرنا بھی آپ کو پریشانی میں مبتلا کر سکتا ہے۔

ماسی گلاں ہمارے گاؤں کی بڑھیا جو اپنے پوتے کے ساتھ ایک گھر میں رہتی تھی۔ گاؤں کے شمال میں ایک گھنا کینوؤں کا باغ تھا جو ماسی گلاں کا کل سرمایہ تھا۔ دسمبر کے جاڑے میں اس باغ کے قریب سے گزرتے تو منہ میں پانی بھر آتا۔ اس کی کھٹی میٹھی خوشبو ہماری بھوک کو چکا دیتی اور جو مزہ کینو کے باغ سے تازہ کینو توڑ کے کھانے کا ہے، وہ بازار کے کینو میں بالکل بھی نہیں۔ باغ میں کھڑے شاخوں پر لگے کینوؤں کی بھینی بھینی خوشبو جب ناک کے نتھنوں سے نکل آتی ہے تو اچھے بھلے آدمی کے من میں پانی بھر آتا ہے اور اس کی رال چکے لگتی ہے۔ ہم پچھلے دو تین سالوں میں لاکھ کوشش کے باوجود اس باغ سے ایک کینو توڑنے کی جرات نہ کر

کسی بھی چیز کی معیاد (ایکسپیری ڈیٹ) جب پوری ہو جائے یا ختم ہونے کے قریب ہو تو ہر کوئی اس کو استعمال کرنے یا چیر پھاڑ کرنے سے ڈرتا ہے کہ یہ میرے لیے خطرے کا باعث نہ بن جائے۔ چاہے وہ کوئی کھانے کی چیز ہو یا روزمرہ کی اشیاء۔ کہتے ہیں انگریز اصول و قواعد کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔ کسی شہر میں نہر کا ایک بڑا پل تھا۔ جہاں ہر وقت ٹریفک کی ریل چل رہی تھی۔ ایک انگریز کو کسی کام کی غرض سے وہ پل کراس کرنا تھا لیکن وہاں پہنچ کر وہ واپس مڑ گیا کیوں کہ اس پل کی معیاد چار ماہ پہلے ختم ہو چکی تھی لیکن ہمارے پاکستانی بھائی بے دھڑک ہو کر اس پل کا استعمال کر رہے تھے۔ ہم لوگ اس چیز کا زیادہ استعمال کرتے ہیں جس کی معیاد ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اب آتے ہیں ایک شرارت کی طرف۔

گرمی کی چھٹیوں میں تو ہر کوئی نت نئی شرارتوں اور دوسروں کو تنگ کرنے کی منصوبے بناتا ہے لیکن ہم نے اس بار سردی کی چھٹیاں بھی خالی نہ جانے دیں۔ دسمبر ٹیسٹ کی تیاری میں تھوڑا مصروف رہنے کی وجہ سے چھٹیوں کا پتا ہی نہ چلتا تھا لیکن اس بار چھٹیاں معمول سے کچھ زیادہ ہوئی تھیں، اس لئے ہمیں موقع مل گیا تھا۔

ہمیں اس گاؤں میں رہتے ہوئے سات سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ ان سالوں میں ہمارا بچپن، لڑکپن میں تبدیل ہوا۔ ہم نے بھی ہر وہ شرارت کی جو بارہ سال کے بچے کا حق ہوتا ہے۔ یہ منصوبہ



سکے کیوں کہ اس کی نگران ماسی گلاں خود تھی۔ کیونوں کے موسم میں وہ گھر کم جب کہ باغ میں زیادہ پائی جاتی۔ اس کی آنکھیں کو سے سے تیز، چال لومڑی جیسی اور جسم ہرن کی طرح پھرتا تھا۔ اس وجہ سے ہم کبھی باغ کے قریب بھی نہ جا سکتے تھے۔ جب بھی دیکھو وہ باغ کی نگرانی کر رہی ہوتی اور اگر کوئی بچہ یا بڑا اس طرف آ نکلتا تو ماسی گلاں آسمان سر پر اٹھا لیتی: ”ارے! ادھر کو کا ہے جا رہا ہے، تجھے اور راستہ نہیں دکھتا۔ بڑا شوق ہے نا تجھے چوری کے کینوں کھانے کا۔ ہاتھ تو لگا کے دیکھ، تیرا ہاتھ کاٹ دوں گی۔ آج کے بعد اس راستے سے مت گزریو۔“

مردیوں کی اتنی چھٹیاں دیکھ کر ہم پھولے نہیں سمائے تھے اور ہم نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اس بار تو جی بھر کے کینوں کھانے ہیں اور اپنے دوستوں کی بھی دعوت کرنی ہے۔ اس پراجیکٹ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ”مرچو“ کی حکمت عملی سب کو پسند آئی، چنانچہ اس پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

”اماں جی! اماں جی!.....!“ شبو ہانپتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔  
”کیا ہوا میرے لال کو.....؟“ ”ماں جی! وہ بڑے انکل کا ایکسٹنٹ ہو گیا ہے، وہ فوت ہو گئے ہیں۔“

یہ سننا تھا کہ ماسی گلاں نے گاڑی کے پھٹے سلسنر کی طرح چیخ پکار شروع کر دی جو اس کی ایکسپازی ڈیٹ قریب ہونے کا عملی ثبوت تھا۔ اسی چیخ پکار کو جاری رکھتے ہوئے وہ گلیوں سے گزرتی واپس کر رہی تھی: ”ہائے میرا بیٹا مر گیا ہے، ہائے میں بھی مر جاؤں گی۔“

گلیوں سے کچھ عورتیں بھی اس کے ساتھ مل گئیں جنہوں نے ماسی گلاں کی پیروی شروع کر دی۔ اب ماسی گلاں ایک جلوس کی شکل میں آگے بڑھ رہی تھی اور اس کے پیچھے لوگوں کا جھوم تھا جیسے گاؤں کا چودھری پہلی بار غلطی سے الیکشن جیت گیا ہو۔ گاؤں کے آوارہ لڑکوں کی تو یہ سب دیکھ کر جیسے عید ہو گئی ہو۔ چلو کچھ دن مفت کے چاول تو ملیں گے، یہ سوچ کر پورے گاؤں کے انکے اور آوارہ لڑکے بھی اس جلوس میں شامل ہو گئے۔ ماسی گلاں اور ان کی عمر کی چند ایک بوڑھی عورتیں آگے آگے تھیں جب کہ باقی سب لوگ اس جلوس کی پیروی کر رہے تھے۔ کچھ سمجھ دار عورتیں اور آدمی اپنے گھروں کی چھتوں اور دیواروں سے اس جلوس کو تیزی سے آگے بڑھتا دیکھ رہے تھے۔

ہم چار دوست ایک گٹھ مالٹوں کا بھر چکے تھے۔ اب ہم جلدی سے بھاگنا چاہتے تھے۔ ہم سڑک تک گٹھوں کو جیسے تیسے کندھوں پر اٹھا کر لائے۔ اتنے میں عمیر ہائیک لے کر پہنچ گیا۔ میں گٹھ سمیت

ہائیک پر عمیر کے ساتھ سوار ہو گیا اور عمیر کو تاکید کی کہ نل ریس دے تاکہ ہمیں کوئی جہاز دیکھ نہ سکے۔

ماسی گلاں اب اپنے ہدف کے قریب تھی۔ نیلی کا پٹر کے پچھے جیسی مخصوص آواز سن کر خان صاحب بھاگ کر گھر سے نکلے۔

”کیا ہو گیا لال! تو ٹھیک ہے ناں سب.....؟ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے اپنا۔“ ماسی گلاں جو کسی کا نام تک نہیں لے رہی تھی:

”ہائے میرا سونے جیسا گلاب کا پھول مر گیا۔ ستیا ناس ہو اس گاڑی والے کا جس نے میرے کالو کو نیچے دے دیا۔“

کالو کا نام سننا تھا کہ کالے خان نے اپنی ماں کے سر پر بندھی اپنی جو کہ آنکھوں کے اوپر آئی ہوئی تھی، وہ ہاتھ سے اوپر کی۔ ایسے جیسے پُرانا انجن چلنا بند ہو گیا ہو۔ ماسی گلاں واپس بھاگی۔ ماسی گلاں کو دیکھ کر اس کے ساتھ آیا سارا جلوس حیران ہو گیا اور ماسی گلاں کے پیچھے ہو لیا۔ ماسی گلاں پڑانے یا بابا موٹر سائیکل کی طرح ہولے ہولے بھاگ رہی تھیں۔ ان کی سانس ایسے پھولی ہوئی تھی جیسے کوئی جنگ جیت کر آ رہی ہو اور اچانک دشمن نے پھر حملہ کر دیا ہو۔ کچھ ہی دیر میں وہ گھر پہنچ گئیں۔ مکے کی کافی عورتوں نے انہیں راستے میں روکنے اور اس طرح واپس ملنے کی وجہ پوچھنا چاہی مگر وہ کب رکنے والی تھیں۔ انہیں تو شبو پہ بے پناہ غصہ آ رہا تھا۔

”شبو! تیرا خانہ خراب ہو، یہ کیا جھوٹ بولا تو نے؟ کالو تو زندہ ہے۔ لگتا ہے تو نے سارے مالٹے تروا ڈالے ہیں۔“ اماں وہ میرے منہ سے نکل گیا تھا کہ بڑے انکل فوت ہو گئے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ماسی گلاں کا پارہ ہائی ہو گیا۔ انہوں نے چولہے میں آگ جلانے اور پھونک مارنے والی پھونکی اٹھالی اور شبو کے پیچھے ہو لیں۔ باقی جو گزری شبو پر گزری کیوں کہ ہم شبو کو ایک سو روپے دے کر ماسی گلاں سے جھوٹ بلوا چکے تھے۔ ہم مالٹے توڑنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اب ہم اپنے پیارے دوست عبدالحمید ہائی کی بیٹھک میں مالٹوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور آج والا کارنامہ باقی سب دوستوں کو بھی سنار ہے تھے۔ سبھی ہمیں خوب داد دے رہے تھے۔

ابھی ہم مالٹوں سے لطف اندوز ہو ہی رہے تھے کہ ہمارے ابو وہاں پہنچ گئے۔ میں اور عمیر انہیں اچانک وہاں دیکھ کر شپٹا گئے۔ دراصل انہیں بھی ہمارے آج والے کارنامے کی خبر ہو چکی تھی۔ انہوں نے ہمیں وہاں سے اٹھایا اور باہر لے آئے۔ پھر جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا، وہ بتانے سے قاصر ہیں۔ چھوڑیے زخم تازہ نہ کیجیے۔ اس کے بعد ہم نے مالٹے چوری کرنے سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔





**رجب طیب اردوغان:** ثوی کے ایک سابق کیمپن کا بیٹا جس نے بچپن ہی سے حسرت سے گزارا تھا۔ اس نے حسرت میں دینی تعلیم حاصل کی اور اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے بچپن میں استنبول شہر میں مافیاں بچکار رہا۔ ترکی کے سب سے بڑے شہر استنبول کی گلیوں میں سر پر نوکری اٹھائے گھوم پھر کر آواز میں لگا کر سامان بیچنے والا حیرہ سالہ بچے نے ترقی کی منزل میں اپنی ذہانت کے ساتھ ساتھ امانت، دیانت اور جہد مسلسل کے ساتھ طے کیں۔ 27 مارچ 1994ء کو بلدیاتی الیکشن کے نتیجے میں استنبول کا میئر ایک ایسا شخص منتخب ہوا جسے دنیا طیب اردوغان کے نام سے جانتی ہے۔ جن لوگوں نے 1994ء سے پہلے استنبول دیکھا ہوا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ ترقی کا یہ مرکز کس عجوبے سے کم نہیں۔ پانی کی قلت، آلودگی کی کثرت، بے ہنگم ٹریفک، کھنڈر سڑکیں اور ساتھ ہی استنبول کی میٹروپولیٹن سسٹم کی مرکز کی وجہ سے کم نہیں۔ پانی کی قلت، آلودگی کی کثرت، بے ہنگم ٹریفک، کھنڈر سڑکیں اور ساتھ ہی استنبول کی میٹروپولیٹن سسٹم کی مرکز کی وجہ سے کم نہیں۔

اردب ڈاکٹر کی مقررہ تھی لیکن حیرت کی بات ہے کہ چار سال سے کم عرصہ میں نہ صرف دو ارب ڈالر کے قرضے واپس کر دیے گئے بلکہ چار ارب ڈالر سے زائد استنبول کی تعمیر و ترقی پر خرچ کیا گیا۔ پچاس سے زائد بڑے پل تعمیر کیے گئے، ٹریفک کو روک روک رکھنے کے لیے لائنوں اور ویڈیو برق اور نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ لوٹ مار اور کرپشن کے خاتمے کا صرف اعلان نہیں بلکہ عملی طور پر اس کا خاتمہ کیا گیا۔ ترکی کے فیصلے کچھ اس طرح جاکے کہ استنبول کی ترقی کو ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ استنبول سے باہر نکلتے ہی ایسا لگتا تھا جیسے آپ یورپ کے انتہائی ترقی یافتہ ملک سے نکل کر تیسری دنیا کے کسی انتہائی پسماندہ گاؤں میں داخل ہو گئے ہیں۔ ویڈیو مشروٹیل ترکی کو ناکام پالیسیوں، بدمنافوں، فوجی آمروں کی بدستوریوں کے باعث یورپ کا مردہ بنا کر رکھا جاتا تھا لیکن ترکی اب طیب اردوغان کی قیادت میں دنیا کی بڑی معیشت بن چکا ہے۔ طیب اردوغان سیکولر اور مذہبی طبقے دونوں کی شدت پسندی کے خلاف ہیں۔ انہوں نے معاشرے کو حقیقتاً اعتدال پسند اور روشن خیال بنا دیا جس کے نتیجے میں ترکی میں مسجدیں بھی آباد ہیں اور کلب بھی کھلے ہیں۔ طیب اردوغان نے اسکولوں اور اسپتالوں کا نظام بھی ٹھیک کر دیا اور انہوں نے ترکش کمپنیوں کو ملک سے باہر کام کرنے کی ترغیب بھی دی۔ چنانچہ اب سب سے شہر ترکش کمپنیاں مختلف ممالک میں کام کر رہی ہیں۔ طیب اردوغان 1994ء سے 1998ء تک استنبول کا میئر رہا اور اس نے کمال کر دیا۔ طیب اردوغان نے اس کام یابی کی بنیاد پر 2001ء میں جیشنر اینڈ ڈیپٹمنٹ کے نام سے اپنی سیاسی جماعت بنائی۔ نجم الدین اربکان کے بے شمار ساتھی لوٹ کر اردوغان کی جماعت میں شامل ہو گئے اور اردوغان نے 2002ء کا الیکشن لڑنے کا اعلان کر دیا۔ الیکشن ہوا اور اردوغان 34 فیصد ووٹ لے کر ملک کے وزیر اعظم بن گئے۔ اردوغان نے وزیر اعظم بننے کے بعد استنبول کی اصلاحات پورے ملک تک پھیلا دیں۔ 2007ء تک ان اصلاحات کا رنگ سامنے آ گیا، چنانچہ حوام نے 2007ء کے الیکشن میں انہیں 47 فیصد ووٹ دے کر دوسری بار وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ 2007ء سے 2011ء کے درمیان طیب اردوغان مکی پیداوار کو 9 فیصد تک لے گئے۔ یہ شرح بچپن کے بعد دنیا کے میں بڑے ممالک میں دوسرے نمبر پر تھی۔ طیب اردوغان کی معاشی اصلاحات کے نتیجے میں لوٹر مل گاؤں، محل گاؤں میں آٹلی اور محل گاؤں، ایر گاؤں بننے لگی۔ لوگوں کے گھر خوش حالی آئی اور یہ سکون اور آسائش کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ چنانچہ حوام نے طیب اردوغان اور ان کی جماعت کو تیسری بار پہلے سے زیادہ ووٹ دے کر حکمران بنا دیا گیا۔ طیب اردوغان کا ترکی، ملائیشیا اور یو این کے بعد تیسرا ملک ہے جس نے اسلامی دنیا میں یورپ اور امریکہ کی ترقی متعارف کرائی اور اہل مغرب کو یہ ان کر دیا۔ لہذا آج ترکی میں امن بھی ہے، سکون بھی، خوشحالی بھی اور ترقی بھی۔ یہ کارنامہ اسٹیل طیب اردوغان نے سرانجام دیا۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ ایک ایمان دار اور تقویٰ حکمران چند برسوں میں صدیوں کی خاموشی دور کر سکتا ہے۔ یہ ترکی کے 61 میں سے 66 صوبوں میں کام یاب ہو چکے ہیں اور انہوں نے 550 کے ایم این میں 337 نشستیں حاصل کی ہیں۔ اگر طیب اردوغان کی کام یابیوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو دنیا کا خیال ہے کہ طیب اردوغان اگلے الیکشن میں 75 فیصد ووٹ لے کر کام یاب ہوں گے اور اس کے بعد یہ ترکی کو فوج اور سیکولرزم دونوں سے آزاد کرادیں گے۔ رجب طیب اردوغان قزاق اور فلسطین کے مختلف ممالک میں رہنمائی پر اسرائیل کو دہشت گرد قرار دے چکے ہیں اور اسی حمایت نے انہیں عالم عرب کا ہیرو بنا دیا۔

ہر مل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مئی 2015ء ہے۔

نام: \_\_\_\_\_

مقام: \_\_\_\_\_

کامل پتا: \_\_\_\_\_

موبائل نمبر: \_\_\_\_\_

ہر مل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 مئی 2015ء ہے۔

نام: \_\_\_\_\_

شہر: \_\_\_\_\_

کامل پتا: \_\_\_\_\_

موبائل نمبر: \_\_\_\_\_

**میری زندگی کے مقاصد**

کوپن پٹ کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام: \_\_\_\_\_

شہر: \_\_\_\_\_

مقاصد: \_\_\_\_\_

موبائل نمبر: \_\_\_\_\_

مئی کا مہینہ "زیلے" اٹھن "ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08 مئی 2015ء ہے۔

**ہونہار دستور**

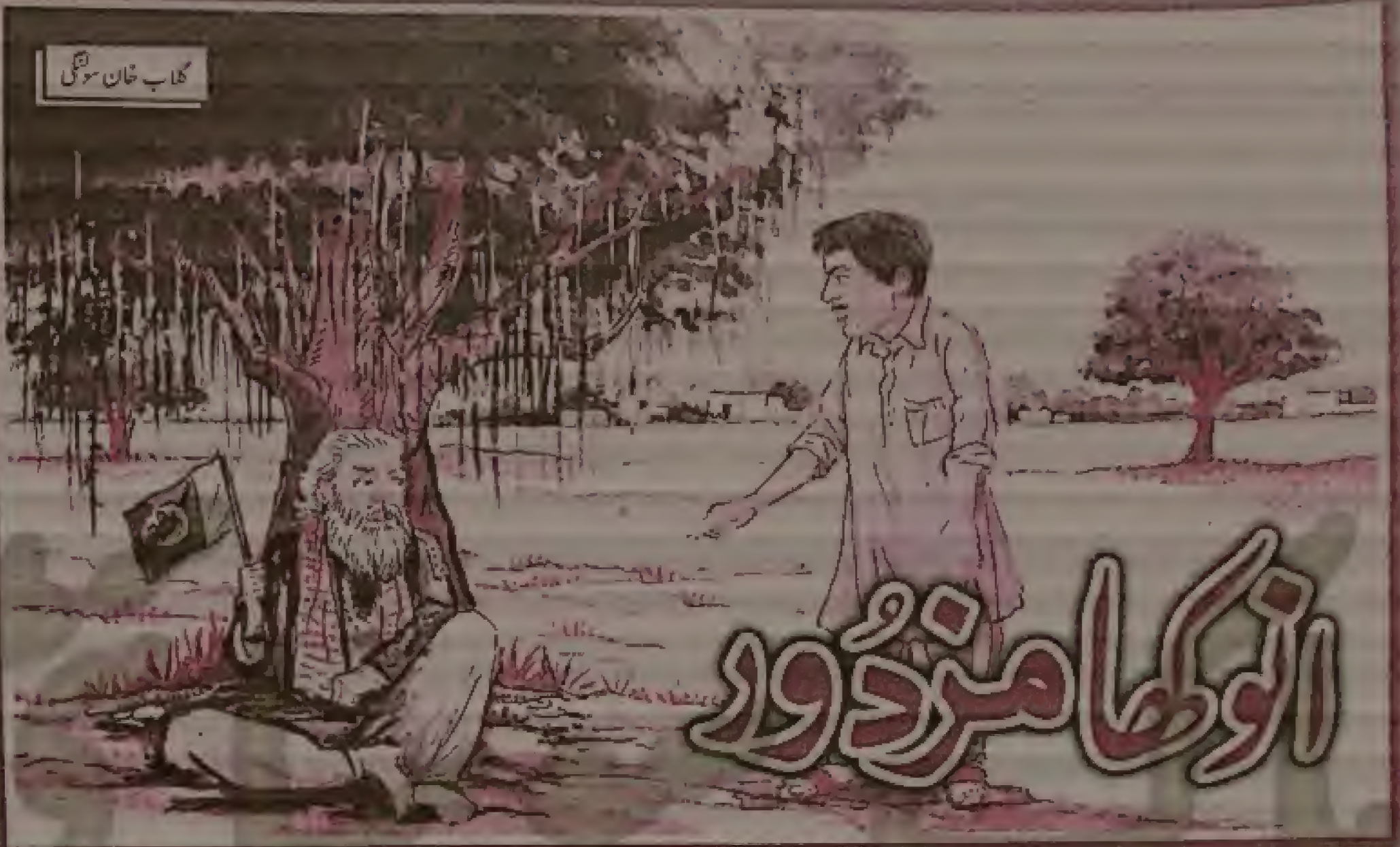
نام: \_\_\_\_\_

عمر: \_\_\_\_\_

کامل پتا: \_\_\_\_\_

موبائل نمبر: \_\_\_\_\_





# انوکھا مزدور

تھکن دور ہو جاتی تھی۔ وہ گاؤں کی چھوٹی مسجد میں نماز ادا کرتا اور رات کو جلدی سو جاتا تھا۔ اسی طرح وہ صبح سویرے اٹھتا تھا اور نماز فجر سے فارغ ہو کر ناشتا کرتا اور بعد میں کام پر جاتا تھا۔

اسلم نے دیکھا کہ کافی دنوں سے ایک اجنبی بوڑھا شخص گاؤں سے دور ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھا نہ جانے کن سوچوں میں گم دکھائی دیتا تھا۔ اس اجنبی کی خاص بات یہ تھی کہ قومی پرچم ہر وقت اس کے ہاتھوں میں رہتا تھا۔ اسلم صبح کو جب بھی اس کے پاس سے گزرتا، تب وہ اسے سلام کرتا لیکن وہ بوڑھا خاموش رہتا تھا۔ پہلے تو اسلم نے سمجھا کہ شاید اس بوڑھے اجنبی کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے لیکن ایک دن اس اجنبی شخص نے اسلم کے سلام کا جواب دیا اور اسلم کو اپنے پاس بلایا اور کہا:

”بیٹا! آپ کون ہیں اور کیا کام کرتے ہیں؟“ اسلم بھی اس بوڑھے شخص کے پاس بیٹھ گیا اور اسے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا: ”بابا میرا نام اسلم ہے، میں ساتھ والے گاؤں میں رہتا ہوں۔ میں ایک غریب مزدور ہوں اور اپنے خاندان کی کفالت کے لیے شہر کی فیکٹری میں کام کرتا ہوں۔ میں نے انیم اے پاس کیا ہوا ہے۔“ وہ بوڑھا پھر سوچوں میں گم ہو گیا۔ اسلم پھر گویا ہوا۔ ”بابا! میں کافی دنوں سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ یہاں اکیلے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر

اسلم روز صبح سویرے پیدل فیکٹری جاتا تھا، جو اس کے گاؤں سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ اسلم فیکٹری میں مزدوری کرتا تھا۔ اسلم کا خاندان خاصا بڑا تھا، وہ دس بہن بھائی تھے اور ایک بوڑھی ماں جو بیمار رہتی تھی۔ اسلم کے والد فوت ہو چکے تھے اور وہ بھی فیکٹری میں کام کرتے تھے۔ وہ جب تک زندہ رہے، اپنے بچوں کو مزدوری کرنے نہیں دی لیکن ان کی وفات کے بعد گھر کی پوری ذمہ داری اسلم کے کندھوں پر آ گئی۔ چوں کہ وہ سب سے بڑا بیٹا تھا اس لیے اس نے خوشی خوشی گھر کی ذمہ داری اٹھالی اور اس فیکٹری میں ملازمت اختیار کی جہاں اس کا باپ مزدوری کرتا تھا۔

اسلم ایم اے پاس تھا لیکن محنت مزدوری کرنے میں اسے کوئی عار محسوس نہیں ہوتی تھی جب کہ نوکری کی تلاش میں اس نے کوئی بھی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اسلم جتنا کما لیتا تھا، اس سے گھر کا خرچہ اور چھوٹے بہن بھائیوں کی پڑھائی کا خرچہ بھی بڑی مشکلوں سے پورا ہوتا تھا لیکن پھر بھی وہ صبر و شکر سے کام لیتا تھا۔ اسلم کے گاؤں سے ایک کچا راستہ شہر کی طرف جاتا تھا، جس کے چاروں طرف ہرے بھرے کھیت اور باغات واقع تھے۔ اسلم روز اسی راستے سے شہر جاتا تھا اور پورا دن فیکٹری میں کام کر کے شام کو جب واپس اپنے گاؤں آتا تھا تو گاؤں کے کھیت کھلیان دیکھ کر اس کی



تپ نہ اند۔ میں تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور ہاں! یہ قومی پرچم آپ ہر وقت کیوں اٹھائے رکھتے ہیں۔“

جنسی شخص نے اس مرتبہ تھوڑا مسکرا کر اسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”پھر سہی!“

اسلم نے اس سے اجازت لی اور فیکٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ پورا راستہ یہی سوچتا رہا کہ وہ اجنبی بوڑھا کس بات کی وجہ سے پریشان ہے اور اپنی کہانی مجھ سے کیوں چھپا رہا ہے۔ اس طرح اسلم نے اپنا معمول بنالیا کہ وہ صبح کام پر جاتے ہوئے کچھ دیر اس بوڑھے شخص کے پاس بیٹھتا اور گپ شپ لگاتا۔ یوں کافی دن گزر گئے، اب تو وہ اجنبی بوڑھا بھی اسلم سے کافی مانوس ہو گیا تھا اور جس دن اسلم سے ملاقات نہیں ہوتی تھی تو وہ شخص پریشان ہو جاتا تھا۔ ایک دن اسلم نے بوڑھے شخص سے کہا: ”بابا! میں آج آپ کے لیے ایک تحفہ خرید کر لایا ہوں۔“ بوڑھا بولا: ”بیٹے، تم ایک غریب مزدور ہو اور مجھے کسی تحفے کی ضرورت نہیں ہے۔“ جب اسلم نے سنے کینے سے بنا ہوا قومی پرچم اس کے سامنے پیش کیا تو وہ حیران ہو گیا اور فوراً اسلم سے وہ پرچم لیا اور اسے آنکھوں پر باندھتے ہوئے چوما اور پُرائے کپڑے کا پرچم اتار کر نیا پرچم لگایا اور پُرائے پرچم اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔

”میتا! آپ میرے لیے وہ تحفہ لائے ہیں جسے چاہ کر بھی میں واپس نہیں کر سکتا، لیکن آپ نے یہ رحمت کیوں اٹھائی، کم از کم مجھ سے پوچھ ہی لیا ہوتا۔“ اسلم بولا: ”بابا جی! اگر پوچھ کر لاتا تو یہ جو آپ کے چہرے پر رونق آگئی ہے، اسے نہیں دیکھ پاتا۔“ تب بوڑھے شخص نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور کہا: ”میں آپ کا مستقبل روشن دیکھ رہا ہوں، مجھے اُمید ہے کہ آپ کو اپنی منزل بہت جلد ملے والی ہے کیوں کہ آپ ایک سچے پاکستانی ہیں۔“

بوڑھے شخص کی بات سن کر اسلم مایوسی والی کیفیت میں بولا: ”بابا! جس ملک میں میرے جیسے پڑھے لکھے انسان، فیکٹریوں میں دھکے کھاتے پھرتے ہوں، بھلا ان کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے؟“

اسلم کو مایوسی دیکھ کر وہ شخص بولا: ”بیٹے! مایوسی کفر ہے، آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرنا اُمید نہیں ہونا۔“

”بابا! وہ سب تو ٹھیک ہے مگر میری یہ ڈگریاں کس کام کی؟ آپ کو

پتا ہے کہ ان ڈگریوں کے پیچھے میرے مرحوم والد صاحب کا خون پسینہ شامل ہے۔ کتنی محنت، مشقت کے بعد انہوں نے ہمیں پڑھایا تھا۔“

”کیا بات ہے بیٹا! پہلے تو آپ اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے لیکن آج کیا بات ہے جو اتنے پریشان ہیں؟“ اسلم بولا: ”بابا جی! بات دراصل یہ ہے کہ کل میں نے فیکٹری کے مینیجر سے اپنی تنخواہ میں سے کچھ رقم ایڈوانس مانگی تھی تاکہ میں اپنے چھوٹے بھائی کے امتحان کی فیس ادا کر سکوں لیکن اس نے انکار کر دیا۔ مینیجر سمیت فیکٹری مالکان کی بے حسی دیکھنے کہ ابھی تک مزدوروں کے لواحقین کو ان کے حقوق نہیں ملے۔ بابا یہ مزدور بھی تو انسان ہوتے ہیں، پھر یہ حکومتی ادارے مزدور طبقے کے حقوق کیوں نہیں ادا کرتے؟ صرف کھوکھلے نعروں سے تو کام نہیں چلتا۔“

بوڑھا بولا: ”میتا! فیکٹری کے مالک کا کیا نام ہے؟“ اسلم نے جواب دیا: ”سیٹھ آصف خان۔“

بڑھے نے جب نام سنا تو لیک دم چونک گیا۔ ”کیا کہا، سیٹھ آصف خان؟“ اسلم نے کہا: ”ہاں بابا! ہم لوگوں نے بھی صرف اس کا نام سنا ہے، لیکن آج تک کسی نے اس کو دیکھا نہیں ہے۔ سنا ہے کہ وہ فیکٹری بنا کر اپنی فیملی سمیت لندن چلے گئے تھے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے، باقی فیکٹری کا حساب کتاب اور دیکھ بھال اس کا مینیجر کرتا ہے۔“

یہ ساری باتیں سن کر وہ اجنبی شخص رونے لگا اور روتے روتے شہر کی طرف چلا گیا۔ اسلم کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ بیٹھے بٹھائے بابا جی کو کیا ہوا جو اس طرح رو رہا تھا۔ خیر وہ اٹھا اور فیکٹری کی طرف چل دیا۔

دوسرے دن اسلم کو وہ بوڑھا شخص دکھائی نہیں دیا۔ اسلم نے اسے یہاں وہاں بہت ڈھونڈا لیکن وہ کہیں بھی نہیں ملا۔ اسلم کو اس کے بارے میں فکر لاحق ہو گئی۔ ”نہ جانے بے چارہ کہاں کھو گیا۔“ سوچتے سوچتے وہ فیکٹری پہنچ گیا۔ جب وہ فیکٹری پہنچا تو سارے لوگ اسے عجیب و غریب نظروں سے گھور رہے تھے۔ اسلم نے کہا: ”بھائی کیا ہوا! میں وہی اسلم ہوں، آپ لوگ اتنے غور سے مجھے کیوں دیکھ رہے ہیں؟“ چڑا اسی بولا۔

”اسلم میاں! آج اس فیکٹری کا مالک آیا ہوا ہے اور وہ مینیجر کے آفس میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ اس لیے یہ سارے لوگ حیران و پریشان ہیں کہ اس نے آپ کو ہی کیوں یاد کیا ہے؟“

چڑا اسی کی بات سن کر اسلم بڑا پریشان ہوا۔ ”خدا خیر کرے،



بہت سارے لوگ اس کی تعریف کر رہے تھے، جب سیٹھ آصف نے مسکرا کر جواب دیا: ”جی ہاں، مجھے یہ نہیں بلکہ بابا جی کہہ کر پکارا کریں اور آپ اہلینان سے نہیں اور میری کہانی سنیں۔ برسوں پہلے میں نے یہ فیملی بنائی تھی۔ آپ کی طرح میں بھی اس ملک کے مقبل سے ماہوں تھا۔ لہذا میں اپنی فیملی کے ہمراہ ہمیشہ کے لیے لندن ہوا کیا اور وہیں ہر سرمایہ کاری شروع کر دی۔ پیچھے اس فیملی کی ذمہ داری منیجر کے ہوالے کر دی۔“

”یہ فیملی کے معاملات میں آپ بے خبر کیسے رہ سکتے تھے؟“ سیٹھ آصف بولا: ”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، دراصل لندن جا کر اپنے کاروبار کے انتظامی معاملات میں نے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کو سنبھال دینے تھے اور وہ مجھے سب ٹھیک بننے کی رپورٹ پیش کیا کرتے تھے۔“

”تو پھر آپ وہاں کیوں آئے؟“ سیٹھ آصف نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا: ”میں! ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹی ہے۔ میں جب یہاں سے دلبرداشتہ ہو کر لندن گیا تھا تو فیصلہ کیا تھا کہ پھر بھی لوٹ کر پاکستان نہیں جاؤں گا، لیکن برسوں ایک انہی دلیں میں رہ کر بھی حقیقی خوشی اور سکون حاصل نہیں کر سکا۔ جانتے ہو کیوں؟ کیوں کہ وہ دلیں اسلامی اقدار سے خالی

لگتا ہے منیجر صاحب نے میری شکایت لگائی ہے۔ اب تیار ہو جا اسلم بے روزگار ہونے کے لیے۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہوا اور اندر جا کر اس نے وہ نظارہ دیکھا جس سے اس کی پوری زندگی ہی بدل گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اجنبی بوڑھا شخص منیجر کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور منیجر باادب ہاتھ باندھے اس کے پیلو میں کھڑا ہے۔

”بابا جی! آپ.....؟“ اسلم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ”آؤ اسلم بیٹا! اندر آؤ اور یہاں بیٹھو۔“ وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور اسلم کا بازو پکڑ کر اسے بٹھایا۔ ”لیکن یہ سیٹ تو منیجر صاحب کی ہے؟“ ”تھی!“ اسلم نے مارے حیرت کے پھر اس بوڑھے شخص سے کہا: ”بابا جی! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا اور آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ اسلم کی حیرانی تب ختم ہوئی جب وہ بوڑھا اجنبی بولا: ”سیٹھ آصف خان میرا ہی نام ہے۔“

اسلم فوراً اپنی سیٹ سے اٹھا۔ ”بابا جی، اوہ..... معاف کرنا سیٹھ آصف صاحب! آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“ سیٹھ آصف نے مسکرا کر کہا: ”آپ نے بھی تو نیا قوی پرچم کا تختہ مجھ سے پوچھتے بغیر ہی دیا تھا۔ میں بھی تو آپ کے چہرے پر رونق اور حیرت دیکھنا چاہتا تھا، اس لیے میں نے اپنی پہچان چھپائی اور آپ سے مجھے فیکٹری کے متعلق وہ حقائق معلوم ہوئے جن کے بارے میں مجھے

علم نہیں تھا لیکن شکر ہے کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں، اس لیے میں وقت ضائع کیے بغیر یہاں چلا آیا تاکہ میرے مزدور مزید بد حالی اور پریشانی سے بچ سکیں۔ سو میں نے اس منیجر کو نوکری سے نکال دیا ہے اور فیصلہ کیا ہے کہ اس کی جگہ آپ منیجر ہوں گے۔ پھر تھوڑی دیر بعد پولیس بھی آگئی اور پڑانے منیجر کو گرفتار کر کے لے گئی۔“ لیکن سر آپ لندن شفٹ ہو گئے تھے اور ہمارے گاؤں کے درخت کے نیچے آپ اکثر بیٹھا کرتے تھے اور وہ قوی پرچم ہر وقت اپنے پاس کیوں رکھتے تھے۔“ جب اسلم نے ایک ہی سانس میں





## معلومات عامہ

- ☆ حضرت اورین علیہ السلام کا اصل نام انوش ہے۔
- ☆ حضرت اورین علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے۔
- ☆ حضرت اورین علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں ۱۰ جگہ آیا ہے۔
- ☆ سب سے پہلے قلم سے حضرت اورین علیہ السلام نے لکھا۔
- ☆ سب سے پہلے نبیوں کو جاننے والے حضرت اورین علیہ السلام تین۔
- ☆ سب سے پہلے جہاد حضرت اورین علیہ السلام نے کیا۔
- ☆ سب سے پہلے باپ تول کا طریقہ حضرت اورین علیہ السلام نے
- ☆ ایجاد کیا۔ (محمد علیہ السلام کا میاں، سہیلی وال)
- ☆ جاپان میں طالب علموں کے لیے بجلی مفت ہے۔
- ☆ انکی میں سب سے زیادہ بجلی پیدا ہوتی ہے۔
- ☆ انڈیا میں کوئلے سے 70 فیصد بجلی پیدا ہوتی ہے۔
- ☆ ترکی اپنے علاوہ تین ممالک کو بجلی دیتا ہے۔
- ☆ چین میں تمام گھروں کے لیے بجلی مفت ہے۔
- ☆ انگلینڈ میں لوگ اپنی ضروریات کی بجلی بنا سکتے ہیں۔
- ☆ (مباحثہ ہشیدہ لاہور)
- ☆ دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک (بلحاظ آبادی) اندونیشیا ہے۔
- ☆ سب سے بڑا اسلامی ملک (بلحاظ رقبہ) قازقستان ہے۔
- ☆ دنیا میں سب سے بڑا جزیرہ گرین لینڈ ہے۔
- ☆ دنیا میں سب سے بڑا جنازہ اسلامی دنیا کا مصر کے صدر جمال عبدالناصر کا تھا۔
- ☆ دنیا میں سب سے بڑا کرکٹ اسٹیڈیم آسٹریلیا میں ہے۔
- ☆ دنیا کا سب سے بڑا سمندر بحر الکاہل ہے۔
- ☆ دنیا کا سب سے بڑا قبرستان مکی (محنہ) پاکستان میں ہے۔
- ☆ دنیا کا سب سے عجائب گھر نیویارک میں ہے۔
- ☆ دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام پاکستان میں ہے (مہلی چالیس ہزار میل)
- ☆ دنیا میں سب سے بڑا تیل کا علاقہ (غوار) سعودی عرب میں ہے۔
- ☆ (کنزلی جدون، ایبٹ آباد)
- ☆ پاکستان کا قومی نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے۔
- ☆ پاکستان کا قومی جھنڈا "ہلالی پرچم" امتیازی شان کا حامل ہے۔
- ☆ پاکستان کا قومی لباس "قمیص، شلوار، شیر وانی اور جناح کیپ" ہے۔
- ☆ پاکستان کے قومی شاعر علامہ محمد اقبال ہے۔
- ☆ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔
- ☆ پاکستان کی قومی زبان "اردو" ہے۔
- ☆ پاکستان کا قومی نعرہ "پاکستان زندہ باد" ہے۔
- ☆ پاکستان کا قومی کھیل "ہاکی" ہے۔
- ☆ پاکستان کا قومی پھول جینلی ہے۔
- ☆ پاکستان کا قومی پرندہ "چکوز" ہے۔ (کنزہ رانی، بھمبر آزاد کشمیر)

ہے۔ وہاں مادی چیزوں سے فائدہ تو حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن اصلی روحانی خوشی کوسوں دور ہے اور اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ میرے اکلوتے بیٹے نے میری خواہش کے برعکس ایک انگریز عورت سے شادی کر لی، میری بیوی تو اللہ کو پیاری ہو چکی تھی، اگر وہ زندہ ہوتی تو شاید میرا بیٹا اس کا کہا مانتا۔ اس طرح میری اولاد نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ انہوں نے میرے لیے واپسی کا راستہ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ تبھی میں نے فیصلہ کیا کہ زندگی کے باقی دن میں اپنے ملک میں گزاروں گا۔ ویسے بھی کہتے ہیں کہ اگر گھر میں گندگی ہو جائے تو اس میں گھر کا نہیں بلکہ اس گھر میں رہنے والے افراد کا قصور ہوتا ہے۔ اس لیے گھر کو بُرا نہیں کہنا چاہیے لیکن یہ بات سمجھنے میں مجھے کافی وقت لگ گیا۔ مجھے شروع سے ہی گاؤں کی زندگی پسند تھی، اس لیے جب میں پاکستان واپس آیا تو صبح کی نماز سے فارغ ہو کر روزانہ میں آپ کے گاؤں واکنگ کرنے آیا کرتا تھا اور اس درخت کے نیچے اکثر بیٹھا کرتا تھا جہاں پر تم سے ملاقات ہو گئی۔ میں آپ کی باتوں میں دلچسپی لینے لگا۔ باقی رہا قومی پرچم، تو وہ میں ہر وقت اس لیے اٹھائے رکھتا تھا کہ زندگی کا بڑا حصہ اس پرچم کے سائے تلے گزارنے سے محروم رہا ہوں اور اس سبز ہلالی پرچم کی قدر پرولیں میں بسنے والے لوگوں سے کوئی پوچھے۔ اس دن جب آپ نے مجھے قومی پرچم کا تحفہ دیا تو آپ کا حب الوطنی والا جذبہ دیکھ کر مجھے میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تھے اور نئے بیڑ ہی میں سے جب تک آپ جیسے باہمت اور محنت کش لوگ موجود ہیں، اس ملک کا مستقبل روشن ہے۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے، اس ملک کا مستقبل اب مضبوط ہاتھوں میں ہے۔ اس لیے میں نے آپ کو اپنی فیکٹری میں مینیجر رکھا ہے تاکہ آپ اپنے مزدور بھائیوں کا خیال رکھ سکیں اور میں دغہ کرتا ہوں کہ اب کسی بھی مزدور کی حق تلفی نہیں ہوگی اور ہر مزدور کو اس کا پورا حق ملے گا۔ شاید اسی بہانے اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور مجھے اپنے گناہوں کی معافی مل جائے۔

"آمین!" یہ کہتے ہوئے اسلم نے سینٹھ آصف کو گلے لگا لیا اور اس کے آنسو بھی پونچھے۔

دوسرے دن فیکٹری کے تمام مزدور بہت خوش تھے اور پوری فیکٹری مالک اور مینیجر زندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

☆☆☆





### جھوٹ کا انجام

عزیز مریم، ایک

بلال اور اس کے قینوں دوست شیشم کے گھنے درخت کے نیچے بیٹھے سوچ رہے تھے کہ آج کیم اپریل یعنی اپریل فول ہے تو اسکول میں سب کو کیسے بے وقوف بنانا ہے۔ بلال نے کہا کہ میں تو ٹیچر کو بے وقوف بناؤں گا اور اسی طرح سب نے دوسروں کو بے وقوف بنانے کا منصوبہ بنا لیا۔ بلال اور اس کے دوستوں نے سارا دن اسکول کے بچوں کو تنگ کیا۔ کبھی کسی بچے کو کہتے کہ تمہارے سر پر چھپکلی بیٹھی ہے تو کبھی کچھ کہتے۔ سارا دن دوسروں کو بے وقوف بنانے میں گزار دیا۔ اسکول سے چھٹی کی گھنٹی بجی اور چاروں دوست اپنے اپنے گھروں کی جانب چل دیے۔ جب بلال اپنے گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ گھر اندر سے بند ہے۔ اس نے جب دیوار سے جھانک کر دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ گھر میں چور گھس آئے ہیں۔ وہ بھاگ کر مٹلی سے نکلا اور اپنے ایک پڑوسی سے کہا کہ میرے گھر میں چور گھس آئے ہیں۔ پڑوسی نے جواب دیا: ”بیٹا! مجھے پتا ہے کہ آج اپریل فول ہے اور تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔ جاؤ! کسی اور کو بے وقوف بناؤ اور میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا۔“ بلال نے کہا کہ وہ سچ بول رہا ہے مگر کسی نے اس کی بات نہ مانی اور انہوں نے یہی سمجھا کہ بلال انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔

بلال بھاگا بھاگا اپنے دوست احمد کے گھر گیا اور اسے تمام صورت حال بتا دی۔ احمد اور اس کے ابو بلال کے ساتھ اس کے گھر آئے مگر اس وقت تک چور تمام سامان لے کر فراہ ہو چکے تھے۔ یوں بلال کا دوسروں کو جھوٹ بول کر تنگ کرنا، اسے لے ڈوبا۔

(پہلا انعام 195 روپے کی کتاب)

فوزیہ کا شمار کلاس کی ان لڑکیوں میں تھا جو بالائق ہونے کے ساتھ ساتھ نہ تو اس کا احترام کرتی تھیں اور نہ ہی کبھی اس نے کج بولا تھا۔ وہ ہمیشہ جھوٹ بولتی تھیں۔ ہم قین لڑکیاں جماعت ہفتم میں پڑھتی تھیں۔ ساری کلاس ایک دوسرے کی دوست تھیں۔ ہر ایک کے دکھ درد میں شریک ہونے والی بچیاں ایک دوسرے کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔ ہم قینوں دوست ایک بیچ پر بیٹھتی تھیں یعنی شمشاد، ہانیہ اور میں۔ مس صوبیہ ہم قینوں سے بہت پیار کرتی تھیں۔ جب ہم لوگوں کو سبق وغیرہ یاد نہ ہوتا تو سب کو ایک جیسی ڈانٹ پڑتی تھی۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی اسکول میں ہمارا دن بہت اچھا شروع ہوا۔ مس صوبیہ کا چیریلہ تھا۔ پوری کلاس کو سبق یاد تھا لیکن فوزیہ کو ہمیشہ کی طرح آج بھی سبق یاد نہیں تھا۔ جیسے ہی مس صوبیہ کلاس میں آئیں تو پوری کلاس احتراماً اٹھ کھڑی ہوئی اور مس کو سلام کیا۔ مس نے مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور سبق سننا شروع کیا۔ جیسے ہی فوزیہ کی باری آئی تو اس نے بہانہ پہلے سے ہی سوچ لیا تھا۔ اس نے مس کو بتایا کہ کل جب میں اسکول سے واپس گئی تو امی مجھے اپنے ساتھ کزن کی شادی پہلے اسکول سے اس طرح میرے پاس وقت نہیں تھا کہ میں سبق یاد کرتی۔ دوستو! روزانہ کی طرح آج بھی فوزیہ کا بہانہ بے کار گیا۔ مس نے اسے بہت ڈانٹا۔ فوزیہ نے رونا شروع کر دیا۔ اس کے کسی کزن کی شادی نہیں تھی، اس نے جھوٹ بولا تھا اور جھوٹ کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ اس کا اسی طرح روزانہ کوئی نہ کوئی بہانہ ہوتا تھا۔ دوسرے دن وہ اپنی ماں کو اسکول لے آئی جس نے فوزیہ کو ڈانٹنے پر اعتراض کیا۔ مس نے اس سے کہا کہ ہم آپ کے بچوں کی اچھائی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ مس کی وضاحت پر بھی فوزیہ کی ماں چپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

ایک چوری اوپر سے سینہ زوری۔ ماں کے لاڈ پیار نے ہی فوزیہ کو نکال دیا تھا یا وہ اپنی بیٹی کو وقت گزاری کے لیے اسکول میں بھیجی تھی۔ اس کی ماں نے ٹیچر کی بات کو سمجھنے کی بجائے ٹیچر سے بدتمیزی کی لیکن مس نہ بولیں۔ کوئی انصاف کرے نہ کرے خدا تو دیکھ رہا ہے اور وہ انصاف کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں



لو پسند کرتا ہے۔ مس صوبیہ کو فوزیہ کی ماں کے رویے کا بہت دکھ ہوا۔ سب ماں بیٹی اپنے گھر واپس گئیں تو ماں کھانا بنانے لگی۔ فوزیہ بھی اپنی ماں کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اس کی ماں ہنڈیا میں پیچ ہلا رہی تھی کہ ہنڈیا الٹ گئی جس کے نتیجے میں دونوں ماں بیٹی جل گئیں۔ فوزیہ ٹھیک ہوئی تو اس نے مس سے معافی مانگی لیکن وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مس کی نظروں میں گر گئی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ ”جس نے مجھے ایک لفظ پڑھایا اس نے مجھے اپنا غلام پا لیا۔“ دوستو! ہمیں بھی اساتذہ کا کہنا ماننا چاہیے اور سبق یاد کرنا چاہیے تاکہ اساتذہ کو ہم سے کوئی شکایت نہ ہو اور ہم سب کی نظروں میں اچھے بنیں۔

دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب

### سچی توبہ

فاطمہ ہاشم، لاہور

نور اللہ کی امی نے اس سے کہا کہ جاؤ بیٹا کب تک گھر میں پڑے رہو گے۔ کوئی کام کرو تاکہ گھر کے حالات کچھ بہتر ہوں۔ نور اللہ نے اپنے ایک ملنے والے سے نوکری کی بات کی۔ اس کا نام عبدالرحمن تھا، وہ کسی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ اس نے نور اللہ سے پوچھا کہ تمہاری تعلیم کتنی ہے؟ اس نے بتایا کہ بی۔ اے کیا ہے۔ وہ حیران ہو گیا اور کہا کہ وہ جلد ہی نوکری کے لیے کچھ کرے گا۔ ایک دو دن گزر گئے، ماں نے کہا کہ جا کر عبدالرحمن سے پوچھو کہ اس نے نوکری کا کچھ کیا ہے۔ عبدالرحمن نے نال منول شروع کر دی۔ اس نے آکر اپنی ماں کو بتایا کہ مجھے نہیں لگتا کہ وہ ہمارا کام کرے گا۔ ماں نے جواب دیا کہ بیٹا، کسی اور سے بات کر کے دیکھو۔ وہ گھر سے نکلا تو اسے اسکول کے ماسٹر صاحب ملے۔ نور اللہ نے ان سے بات کی۔ انہوں نے کہا کہ تم میرے ساتھ آؤ۔ نور اللہ نے ماسٹر صاحب کو ساری بات بتائی۔ جس ہوٹل میں بیٹھے وہ بات کر رہے تھے، وہاں عبدالرحمن سب باتیں سن رہا تھا۔ نور اللہ نے کہا، پہلے بھی بہت لوگوں نے میرا وقت ضائع کیا ہے۔ ماسٹر صاحب نے کہا جو لوگ کوئی بات کہہ کر اسے نہ کر پائیں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ”اے ایمان والو! اپنے اقراؤں کو پورا کرو۔“ اس لیے تم کل اسکول میں آ جانا کلرک کی جگہ خالی ہے۔ نور اللہ بہت خوش ہوا اور وہ دونوں وہاں سے چل دیئے۔ عبدالرحمن نے جب ساری باتیں سنی تو وہ بہت نادام

ہوا۔ اس نے اپنی توبہ لے لی۔ نور اللہ کو نوکری مل گئی۔ اس کی ماں بہت خوش ہوئی۔ ان کے گھر میں خوش حالی آ گئی۔

پیارے دوستو! ہم سب کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم جو کام نہ کر سکتے ہوں اسے کرنے کی بجائے نہ بھریں اور نہ ہی کسی کو دھکا دیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ ناراض ہو گا اور کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ کو ناراض کرے۔

تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب

### حسد کی آگ

منال حسین، اسلام آباد

میرا اپنی جماعت کا نہایت ہی ذہین اور ہونہار طالب علم تھا۔ وہ گھر والوں کی بھی آنکھ کا تارا تھا۔ وہ نہایت ہی فرماں بردار بچہ تھا۔ اس کا کہہ ان چار لوگوں پر مشتمل تھا۔ عمر، عمر کے ماں باپ اور عمر کی پیاری چھوٹی بہن سارہ۔ عمر اور سارہ ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے۔ آج عمر کا آٹھویں جماعت میں پہلا دن تھا۔ ساتویں جماعت میں عمر نے اڈل پوزیشن حاصل کی تھی۔ آج جماعت میں بہت سے نئے لڑکوں کا داخلہ ہوا۔ ان میں سے ایک لڑکا عثمان بھی تھا۔ عثمان آتے ہی سب میں تھل مل گیا۔ دن گزرتے گئے اور اب تو عثمان اساتذہ کی نظر میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکا تھا کیوں کہ وہ ایک لائق طالب علم تھا۔ پوری جماعت اس کی دوست بن چکی تھی۔ یہ دیکھ کر عمر کے دل میں حسد کی آگ بھڑکی۔ اس نے عثمان سے بات چیت ختم کر دی۔ اس نے اپنے دوستوں سے بھی کہہ دیا کہ جو بھی عثمان سے بات کرے گا، وہ مجھ سے بات نہ کرے۔ اب وہ گھر میں بھی چپ رہنے لگا۔ وہ عمر جس کے چہرے پر ہر وقت ایک مسکراہٹ رہتی تھی، اب اُداس رہنے لگا اور سب سے بڑھ کر اس نے نماز سے دُوری اختیار کر لی تھی اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس مسجد میں عثمان نماز پڑھتے جاتا تھا اور دوسری مسجد خاصی دُور تھی۔ پہلے پہل تو وہ گھر میں نماز پڑھ لیتا تھا مگر اب تو یہ بات بھی نہ رہی۔ اس کا اثر اس کی پڑھائی پر بھی ہوا۔ وہ ہمیشہ ٹیسٹ میں پورے نمبر لیتا تھا، آج صفر یا ایک دو نمبروں سے اوپر جا ہی نہیں رہا۔ اساتذہ بھی حیران تھے کہ عمر کو کیا ہو گیا ہے؟ عمر کے گھر والے بھی خاصے پریشان تھے۔ والدین نے عمر کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ہر بار نال منول کر دیتا مگر ان سب سے زیادہ پریشان اس کی بلاؤلی بہن



سارہ تھی۔ وہ رورور کر اللہ سے دعائیں مانگتی تھی کہ یا اللہ! مجھے میرا پرانا بھائی لونا دے۔ عمر کے اسکول کا اصول تھا کہ جو طالب علم پہلی سہ ماہی امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کرتا تھا، وہی کلاس کا مانیٹر ہوتا تھا۔ پچھلے سات سالوں سے عمر کلاس کا مانیٹر تھا۔ عمر نے اسی طرح سارے پرچے دیئے اور جب رزلٹ آیا تو خلاف توقع عمر کی آٹھویں پوزیشن تھی اور عثمان نے جماعت میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ عمر کے لیے یہ بڑا دھچکا تھا۔ اسے یہ لگا کہ جیسے اسے پہاڑ کی چوٹی سے کسی نے نیچے دھکا دے دیا ہو۔ عمر سے یہ سب برداشت نہ ہوا اور اب تو وہ عثمان کا نام سننا بھی گوارا نہ کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ عمر کے تمام دوست بھی عمر سے دور اور عثمان کے قریب ہوتے چلے گئے مگر اس کی وجہ عثمان کا اچھا اخلاق تھا۔ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی عمر اندر ہی اندر بیمار رہنے لگا، اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے۔ ایک رات وہ بیٹھا ہوا تھا تو اس کی نظر کیلنڈر پر پڑی۔ اگست کا مہینہ شروع ہو چکا تھا مگر اس پر ابھی بھی جون جگمگا رہا تھا۔ عمر اٹھا اور اٹھ کر کیلنڈر کے صفحے بدلنے لگا۔ اگست والے صفحے پر ایک حدیث لکھی ہوئی تھی:

”حسد انسان کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔“

عمر اس حدیث کو بہت غور سے پڑھنے لگا اور اس پر سوچنے لگا۔ اس کو لگا کہ یہ حدیث اسی کے لیے ہے۔ اس کو بہت شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ وہ اپنے کمرے سے باہر نکلا تو سامنے ہی اس کی بہن بیٹھی تھی۔ عمر نے شرارت سے اس کی چٹیا کھینچی۔ آج عمر کا اندر سے سویا ہوا انسان جاگ چکا تھا۔ سارہ بھی بہت خوش ہو گئی۔ اسے لگا کہ جیسے اسے اپنا کھویا ہوا بھائی واپس مل گیا ہو۔ عمر نے اپنی سائیکل اٹھائی اور گھر سے نکل گیا۔ اس کے قدم عثمان کے گھر کی جانب اٹھ رہے تھے کیوں کہ اسے ایک اہم کام سرانجام دینا تھا۔ عثمان سے معافی مانگنے کا کام اور اس سے دوستی کرنے کا!

ازکی اخلاق بٹ، شیخوپورہ

کاری ضرب

عادل... عادل بیٹا! جلدی سے اٹھ کر اپنی کتابیں کھول

لو۔ میری جان، آپ کے پڑھنے کا وقت ہو رہا ہے۔“ عالیہ بیگم نے زور و شور سے ہندیا میں تھج چلاتے ہوئے کچن سے ہی ہانک لگائی تو کمرے میں بیٹھے کمپیوٹر پر گیم کھیلتے عادل کا دل جل کر کباب ہو گیا۔ اس نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی یوں ناگواری سے پہلو بدلا جیسے کسی نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا ہو۔ چند لمحوں تک وہ ماں کی دوسری بار آواز کا انتظار کرنے لگا مگر ان کے دوبارہ آواز نہ دینے پر وہ کندھے ہانچکا کر پھر سے گیم کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ ایسے ہی کتنا وقت گزر گیا، اسے پتا ہی نہ چلا۔ کافی دیر بعد اس نے دروازہ کھلنے کی آواز پر مڑ کر دیکھا تو عالیہ بیگم گیلے ہاتھ رد مال سے پونچھتے ہوئے دروازے میں کھڑی تھیں۔ لگا ہی اسی پر مرکوز تھیں۔

”بیٹا! میں نے آپ سے کتابیں کھولنے کو کہا تھا اور آپ تب سے یہاں کمپیوٹر کھولے بیٹھے ہیں۔ وجہ...؟ کیا میری آواز آپ کو سنائی نہیں دی تھی؟“ الفاظ کے برعکس ان کا لہجہ کچھ نرم تھا۔ جب ہی اس نے کچھ کہنے کا حوصلہ کیا۔

”دراصل مئی، میرے سر میں بہت درد ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں اپنا دھیان پڑھائی پر مرکوز رکھ سکوں گا اور...“ چہرے پر مسکینیت طاری کئے ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ انہوں نے اس کی بات کاٹ دی۔

”پڑھائی کی طرف آپ کا دھیان پہلے بھی کون سا ہوتا ہے۔ تین گھنٹے تک لگا کر کمپیوٹر سکرین پر نظریں جم کر گیم کھیلی جاسکتی ہے لیکن اپنی کتابوں کو ایک گھنٹہ نہیں دیا جاسکتا۔ اٹھیے اور کتابیں کھولیں اپنی۔“ ان کے لہجے کی سختی سے گھبرا کر اسے چار و تا چار اٹھنا ہی پڑا۔ پھر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق کتاب کھولی اور الفاظ کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا۔

عادل زمان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔ حال ہی میں دسویں جماعت میں گیا تھا مگر پڑھائی سے اس کی دلچسپی اب بھی صفر تھی۔ نویں جماعت بھی اس نے دو مرتبہ کی کوشش سے پاس کی تھی۔ بے چارے والدین تو اپنی پوری کوشش کر رہے تھے کہ ان کا اکلوتا سپوت پڑھ لکھ کر کسی قابل ہو جائے مگر پڑھائی سے تو گویا اس کی جان جاتی تھی۔ فزکس اور کیمسٹری کی کتابوں کو کھولتا تو اسے ناکوں چنے چبوانے کا محاورہ یاد آ جاتا تھا۔ میتھ اس کے سر سے یوں گزر جاتا تھا کہ گزرنے کے بعد اس کی باقیات یعنی



کوئی ایک لفظ بھی اس کے لیے نہ پڑا ہوتا اور انگلیش... اس کا تو نام سنتے ہی اس کی منھیاں بھیج جاتی تھیں۔ بغیر کہے وہ کبھی خود سے پڑھنے نہیں بیٹھتا تھا۔ اس دن بھی اپنی والدہ کے کہنے پر وہ پڑھنے تو بیٹھ گیا مگر پڑھائی کے بارے میں ان کی سختی کی وجہ سے اگلے دن اسکول جانے کے بعد بھی اس کا موڈ جلدی ٹھیک نہ ہو سکا تھا۔

”کیا بات ہے عادل! منہ پہ بارہ کیوں بچے ہوئے ہیں۔ پریشان ہو؟“ اسکول میں اس کے نئے بننے والے دوست ذیشان نے مصنوعی اپنائیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا تو وہ بھی پھٹ پڑا۔ پڑھائی سے اپنی شدید ناپسندیدگی کے باوجود اپنے والدین کے تعلیم پر زور دینے کا رونا رونے لگا۔

”میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا ذیشان! کہ آخر ڈیڈی کی دولت میرے کس کام کی؟ اگر اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی مجھے پڑھنا پڑھے۔ ان کی ساری دولت و جائیداد میری ہی تو ہے لیکن انہیں یہ بات کون سمجھائے۔“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ ”ہاں! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ آخر تمہارے ڈیڈی کا سارا کاروبار تمہارا ہی تو ہے اس کے باوجود تمہارے والدین کا یہ رویہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اس سے ہمدردی جتانے لگا۔ درحقیقت اس کی عادل سے دوستی کی وجہ عادل کی بھری ہوئی جیب ہی تو تھی۔

اسکول سے گھر واپسی پر کھانا اسے اس کی ممی ہی دیا کرتی تھیں۔ آج خلاف معمول انہیں کچن میں موجود نہ پا کر وہ کچھ حیران سا ہوا۔ یونی فارم تبدیل کر کے وہ ان کے کمرے میں گیا تو بے اختیار ٹھٹک کر رک گیا۔ عالیہ بستر پر بیٹھی روانی سے آنسو بہا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ان کے رونے میں شدت آگئی۔ وہ ماں کے آنسوؤں کے سامنے پکھل گیا تھا۔

”سک..... کیا ہوا ممی؟ سب ٹھیک تو ہے ناں؟ رو کیوں رہی ہیں آپ؟“ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ان کے قریب بیٹھ کر ایک ہی سانس میں پریشانی سے استفسار کرنے لگا۔

”عادل، تمہاری خالہ کا فون آیا تھا بیٹا! وہ بہت رو رہی تھیں، بہت پریشان تھیں۔ تمہارے خالو کی وفات کے صرف چار ماہ بعد

ان کے جینٹھ اور ان کے بیٹوں نے اصغر بھائی کے سارے کاروبار پر قبضہ کر لیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ گھر بھی نہیں دیا۔ اتنے نیش و آرام میں رہنے والی میری بہن اور بھانجے کرائے کے معمولی سے مکان میں رہ رہے ہیں۔ یہاں تک بھی ٹھیک تھا لیکن نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ انہیں دو وقت کی روٹی کے بھی لالے پڑ گئے ہیں۔ ان کی آمدن کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ دونوں بیٹے جوان ہونے کے باوجود روزی کمانے کے قابل نہیں ہیں کیوں کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ وہ باپ کے اسی کاروبار کے سہارے آس لگائے بیٹھے تھے جو اب نہیں رہا۔ وہ معمولی نوکری جو ایک میٹرک پاس شخص کو بھی مل سکتی ہے، اس کے بھی اہل نہیں ہیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ کاش! ہم نے تعلیم کی قدر کو پہچانا ہوتا تو آج اس حال کو نہ پہنچتے۔ اب تو تم جان گئے ہو گے ناں کہ میں تمہاری تعلیم پر اتنا اصرار کیوں کرتی ہوں، صرف اس لیے تاکہ تم پر وہ دن نہ آئے کہ تم حسرت سے یہی بات کہنے پر مجبور ہو جاؤ۔“ عادل کے روٹنے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ماں کے اس رویے کے پیچھے اتنی بڑی وجہ ہو سکتی تھی۔ اس کا دل موم کی طرح پکھل گیا تھا۔ اپنے خالہ زاد بھائیوں کے انجام نے اس کے دل پر کاری ضرب لگائی تھی۔ وہ اپنی ماں کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور ان کے ہاتھوں کو تھام کر اس نے بڑے عزم سے کہا:

”مجھے معاف کر دیں ممی! میں جان گیا ہوں کہ میں بہت غلط تھا۔ تعلیم واقعی زندگی کے ہر میدان کی ضرورت ہے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں دل لگا کر پڑھوں گا۔ اس کی والدہ نے جھک کر اسے سینے سے لگا لیا تھا۔ (پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب)

رجب کی آمد اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا جب رجب کا مہینہ شروع ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا فرماتے تھے:

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ  
”اے اللہ! ہمارے لیے برکت عطا فرما ماہ رجب و شعبان میں اور ہمیں (خیریت کے ساتھ) ماہ رمضان تک پہنچا دے۔“  
(الدعوات الخیر للنبی، حدیث: 529)



# زندہ لاش زومی

”سفید کار نیلی دین کا پیچھا کر رہی ہے۔“ عامر نے بھی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

”نہ صرف پیچھا کر رہی ہے بلکہ اسے سڑک پر سے دھکیل کر نشیب میں اتارنا چاہتی ہے۔ کوئی چکر معلوم ہوتا ہے، ذرا تیز چلو۔“ عمار نے چونکتے ہوئے کہا۔

اب دونوں گاڑیوں میں بالشت بھر فاصلہ رہ گیا تھا۔ پھر ٹکرانے کی آواز گونجی اور آنکھ جھپکتے میں نیلی گاڑی لڑھکتی ہوئی سڑک سے نیچے ایک کھڈے میں جا گری۔ سفید کار فرارے بھری تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

”تم جلدی سے اتر کر دیکھو، ڈرائیور کا کیا حال ہے۔ میں سفید کار کے پیچھے جاتا ہوں۔“ عامر نے بریک لگاتے ہوئے کہا۔ وہ عمار کو اتار کر آگے بڑھ گیا اور گاڑی کو پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔

اب دونوں گاڑیوں میں چند گز کا فاصلہ تھا۔ آگے والے ڈرائیور نے مڑ کر دیکھا تو عامر کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ جس چہرے کی جھلک اس نے لحظہ بھر کو دیکھی، وہ کسی زندہ انسان کا چہرہ نہ تھا۔ اس کی رنگت بالکل سفید تھی اور آنکھیں حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی تھیں، جیسے مدتوں پرانی لاش ہو مگر عامر نے تعاقب جاری رکھا۔ بد قسمتی سے راستے میں ریلوے کراسنگ آگئی۔ کوئی گاڑی آرہی تھی۔ پھانک بند ہوتے ہوتے آگے والی گاڑی تیزی سے نکل گئی، لیکن

پاکستان کے مشہور سرائے رساں شہاب زیدی کے دونوں بیٹے، عامر اور عمار، ان دنوں اپنے چچا کے پاس نیروبی آئے ہوئے تھے۔ نیروبی افریقہ کے ایک ملک کینیا کا دارالحکومت ہے۔ زیدی صاحب کے چھوٹے بھائی کینیا کے بڑے اسپتال میں سرجن تھے اور وہ ان کی بیماری کی خبر سن کر اپنے کنبے کے ساتھ ان کی عیادت کے لیے آئے تھے۔ وہ خود تو چند دن یہاں رہ کر پاکستان واپس چلے گئے مگر ان کی بیوی، بہن اور دونوں لڑکے یہیں رہ گئے، کیوں کہ عامر اور عمار کو یہ جگہ بہت دل چسپ معلوم ہوئی تھی اور وہ سیر و تفریح کی غرض سے کچھ عرصہ اور یہاں رہنا چاہتے تھے۔

دونوں بھائی صبح سویرے چچا کی خوب صورت سیاہ کرونا گاڑی لے کر نکل جاتے اور دور دور تک چکر لگاتے۔

ایک دن وہ لمبی ڈرائیو کے بعد گھر واپس آرہے تھے کہ ایک نیلی ٹیونا دین زن سے ان کے قریب سے گزری اور پوری رفتار سے آگے نکل گئی۔ عمار کچھ کہنے کو تھا کہ بائیں ہاتھ کی گلی سے ایک سفید کار اسی تیزی سے نکلی اور ان کی گاڑی کے گرد نیم دائرہ بناتی ہوئی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ عامر نے بڑی چابک دستی سے پہلو بچا کر راستہ دیا، ورنہ ٹکر ہو گئی ہوتی۔

”افوہ! کیا آفت آئی ہے ان ہوا بازوں پر۔“ عمار نے کہا۔



عامر کو زکنا پڑا۔

گیٹ دوبارہ کھلا تو سفید گاڑی کا دُور دُور تک پتا نہ تھا۔ مجبوراً عامر کو واپس آنا پڑا۔ وہ عمار کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ایک لڑکا گھاس پر لیٹا ہوا ہے۔ اس کے ماتھے پر چوٹ آئی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ وہ انہی کی عمر کا تھا۔

”یہ بے ہوش ہے۔ اسے اسپتال پہنچانا پڑے گا۔“ عمار نے کہا۔ دونوں نے مل کر اسے اپنی گاڑی میں ڈالا اور اسپتال کی طرف روانہ ہوئے۔ زخم گہرا تھا مگر ہڈی بچ گئی تھی۔ ڈاکٹروں نے ایکسرے لیا، مرہم پٹی کی۔ لڑکے کو جلد ہی ہوش آ گیا اور اسے جانے کی اجازت مل گئی۔ لڑکے نے، جس کا نام امجد تھا، دونوں بھائیوں کا شکریہ ادا کیا۔

”آپ کی بروقت مدد سے میری جان بچ گئی۔“ اس نے پچھلی سیٹ پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

”بھیا، تمہاری گاڑی تو بیکار ہو گئی ہے، تمہیں کہاں جانا ہے؟ ہم پہنچا آئیں گے۔“ عامر نے کہا۔

”جی، میں اس طرف ایک ضروری کام سے آیا تھا۔ اگر آپ یہیں کہیں رہتے ہیں تو شاید میری کچھ مدد کر سکیں۔“

”ہاں! کہیے، کیا کام ہے؟ آپ کی مدد کر کے ہمیں خوشی ہو گی۔“ عمار نے کہا۔

”میں نے سنا ہے کہ اس علاقے میں پاکستان کے دو مشہور سراغ رساں آئے ہوئے ہیں۔ مجھے ایک معاملے میں ان کی مدد درکار ہے۔ آپ مجھے ان کا پتا بتا دیجیے۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں گا۔“ امجد نے کہا۔

عمار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ عامر بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ امجد حیران ہو کر سیدھا ہو بیٹھا اور ان کا منہ تکتے لگا۔

”تو سمجھ لیجیے آپ نے انہیں ہماری مدد کے بغیر ہی ڈھونڈ لیا۔“ عمار بولا۔

”ہم دونوں بھائی وہی ہیں جن کی تمہیں تلاش ہے۔ میرا نام عامر ہے اور یہ میرا چھوٹا بھائی عمار ہے۔“ عامر نے اپنا تعارف کرایا۔

”ہاں! یہی نام سنے تھے میں نے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔“ امجد کہنے لگا۔

”تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلیں۔ وہاں کھانے کی میز پر باتیں ہوں گی۔“ عامر نے کہا اور

گاڑی کا رخ گھر کی طرف موڑ دیا۔

وہ گھر پہنچے تو ان کی پھوپھی منصورہ نے ان کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے کہا: ”کہاں رہ گئے تھے تم لوگ؟ اور یہ.....؟ یہ لڑکا کون ہے؟ معلوم ہوتا ہے یہاں بھی تم نے وہی حرکتیں شروع کر دی ہیں۔ تم رہ ہی نہیں سکتے دوسروں کے پھڈے میں ناگ اڑائے بغیر۔“

دونوں لڑکے مسکراتے ہوئے، امجد کو ساتھ لیے بیٹھنے کے کمرے میں چلے گئے۔ ان کی امی امجد کو زخمی دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔ لڑکوں نے انہیں سارا واقعہ سنایا تو انہوں نے جلدی سے ان کے لیے کھانا لگا دیا۔ امجد ان سب کی خوش اخلاقی سے بے حد متاثر ہوا اور جلد ہی ان کے ساتھ گھل مل گیا۔

”اچھا! اب بتائیے، کیا مشکل درپیش ہے؟“ عامر نے کھانے کے بعد صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

امجد بولا: ”پاکستان سے میرے ایک چچا آئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ آپ دونوں بھائیوں نے ان کے ایک کیس کی تحقیقات کی تھی اور چند ہی روز میں بحرموں کو پکڑوا دیا تھا۔ اب میں نے سنا کہ آپ یہاں آئے ہیں تو سوچا کہ آپ سے مدد چاہوں۔ میں آپ کی تلاش میں نکلا تو وہ سفید کار والا میرے پیچھے لگ گیا۔ میں نے اسے بہت طرح دینا چاہی مگر آخر کار اس کا داد لگ گیا اور اس نے میری گاڑی کو ٹکر مار کر کھڈے میں پھینک دیا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ آپ وہاں موجود تھے، ورنہ خبر نہیں میرا کیا حشر ہوتا۔“

”خدا کی پناہ! وہ انسان تھا یا کوئی پرانی مصری می جو اپنی قبر سے نکل کر آ گئی ہو۔ آپ نے اس کی صورت دیکھی تھی؟ بخدا میرے جسم میں تو سنسنی دوڑ گئی۔ کاغذ جیسا سفید، بے رنگ چہرہ..... حلقوں میں دھنسی ہوئی آنکھیں..... بالکل کسی لاش کی طرح۔“ عامر نے کہا۔

”یہی وہ شخص ہے۔“ امجد نے چونک کر کہا۔

”تو کیا آپ اسے جانتے ہیں؟“ عامر نے پوچھا۔

”اسے تو نہیں، اس کے متعلق جانتا ہوں۔ اس کی صرف ایک جھلک میں نے آج ہی دیکھی ہے جیسا کہ آپ نے کہا، بڑی بھیا تک صورت تھی۔ دیکھ کر رو گئے کھڑے ہو گئے میرے!“ امجد نے بتایا۔

”اچھا! اب شروع سے بات کیجیے۔“ عمار نے بے صبری سے کہا۔

امجد بولا: ”یہاں سے بین بانئیں میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے، تو جا۔ میرے والد صاحب اس قصبے کے جانوروں کے اسپتال



کے انچارج ہیں۔ ہم نے حال ہی میں وہاں ایک بنگلا خریدا تھا، جس کا نام گرین والا ہے۔ یہ بنگلا آبادی سے الگ تھلگ، جنگل کے کنارے واقع ہے۔“

”آپ بات چیت اور شکل و صورت سے ہمارے ہم وطن لگتے ہیں۔“ عامر نے کہا۔

”جی ہاں!“ امجد نے جواب دیا۔ ”ہم پانچ سال قبل پاکستان سے یہاں آئے تھے اور اب ابو کی ریٹائرمنٹ تک یہیں رہیں گے۔ تو خیر، کچھ عرصہ ہوا کسی نامعلوم شخص نے میرے والد سے کہا کہ وہ اپنا مکان اس کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ ان کے انکار پر اس نے خطوں اور فون کے ذریعے انہیں دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اسی عرصے میں میرے ابو اور امی کو وطن جانا پڑا اور وہ مجھے اپنے ایک افریقی دوست کے ہاں چھوڑ کر پاکستان چلے گئے، کیوں کہ میرے امتحان نزدیک تھے اور مجھے چھٹی نہیں مل سکتی تھی۔“

”بچھلے ہفتے کا ذکر ہے کہ ہمارے مکان کے پیچھے جنگل میں آگ لگ گئی۔ شہر بھر کے فائر بریگیڈ جمع ہو گئے اور کئی گھنٹے کی جدوجہد سے آگ پر قابو پایا جاسکا۔ لوگوں کا قیاس تھا یہ آتش زدگی اتفاقی حادثہ تھی، مگر مجھے یقین ہے کہ جان بوجھ کر لگائی گئی تھی۔“

”آپ کس بناء پر یہ سوچتے ہیں کہ آگ دانستہ لگائی گئی؟ جنگل کو جلانے سے کسی کا کیا فائدہ؟“ عامر نے پوچھا۔

”جنگل میرے گھر کے عین پیچھے ہے۔ آگ ہمیں خوف زدہ کرنے کے لیے لگائی گئی کہ ہم ڈر کر مکان بیچنے پر آمادہ ہو جائیں۔ میرے پاس اس یقین کی وجہ موجود ہے۔ جس روز میں اور میرا دوست نوگو ابو کے دوست کے گھر جانے کے لیے اپنا سامان گاڑی میں رکھ رہے تھے تو فون کی گھنٹی بجی اور کسی شخص نے مجھے دھمکی دی کہ اگر ہم نے مکان بیچنے کی ہامی نہ بھری تو مکان جلا دیا جائے گا۔“ امجد نے کہا۔

”اس آواز کو آپ پہچان سکتے ہیں؟“ عامر نے پوچھا۔

”ہاں! دوبارہ سنوں تو ضرور پہچان لوں گا۔ عجیب قسم کی غنغنی آواز تھی، جیسے کوئی ناک دبا کر بول رہا ہو۔“ امجد نے بتایا۔

”اچھا یہ نوگو کون ہے؟ کیا وہ آپ کے ساتھ رہتا ہے؟“ عامر نے کہا۔

امجد نے بتایا کہ نوگو ایک افریقی لڑکا ہے۔ اس کے والدین فوت ہو گئے ہیں۔ اکیلا اور لاوارث ہے۔ میری امی نے ترس کھا کر اسے گھر میں رکھ لیا ہے۔

”اس غنغنی آواز والے آدمی نے پھر بھی کبھی آپ کو فون کیا؟“ عامر نے پوچھا۔

”جی ہاں! آگ لگنے سے چند روز پہلے اس کا پھر فون آیا تھا۔“

اس نے کہا کہ فلاں مکان کے کمرہ نمبر 415 کے پتے پر اطلاع دو کہ مکان کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ میں اور نوگو اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچے مگر اس کمرے میں کوئی نہیں رہتا۔ پوکیدار نے بتایا کہ یہ کمرہ تو سال بھر سے خالی پڑا ہے۔“

”ہو سکتا ہے رات کے وقت کوئی چوری سے وہاں آتا ہو۔“ عامر نے کہا۔

”ہو سکتا ہے۔“ امجد نے تائید کی اور کچھ دیر خاموش رہنے کے

بعد اچانک بولا۔ ”اب میری آپ دونوں سے یہ درخواست ہے کہ اس معاملے کی تحقیقات کا ذمہ لیں اور اس سے پہلے کہ میرا مکان جلا دیا جائے، ان لوگوں کو بے نقاب کریں جو ہمیں پریشان کر رہے ہیں۔“

”کیا کسی اور نے بھی مکان کے متعلق کبھی خریدنے کی بات کی تھی؟“ عامر نے پوچھا۔

”ہاں! ایک مقامی وکیل جم لنڈن نے بھی اپنی ایک موکل سہیلی کی طرف سے بات کی تھی۔“ امجد نے بتایا۔

”ٹھیک ہے، ہم آپ کا کیس لینے کو تیار ہیں اور سب سے پہلے اس پراسرار ڈرائیور سے شروع کرتے ہیں۔ آپ کو اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے، بتائیے۔“ عامر نے کہا۔

امجد قدرے تامل سے بولا: ”اس کا معاملہ کچھ مختلف ہے۔ یعنی..... وہ..... اس کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے میں ڈرتا ہوں..... اور پھر آپ یقین بھی نہیں کریں گے۔“

”عجیب آدمی ہیں آپ بھی۔ پہیلیاں نہ بھجوائیے۔ صاف صاف کہیے۔“ عامر نے ذرا سختی سے کہا تو امجد نے رکتے رکتے جواب دیا: ”آپ میری بات کا یقین کر لیں گے؟ واقعہ یہ ہے کہ وہ آدمی نہیں ہے۔ وہ زومبی ہے، یعنی زندہ لاش۔“ (باقی آئندہ)

### طالب علم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں (علامہ اقبال: ضربِ کلیم)





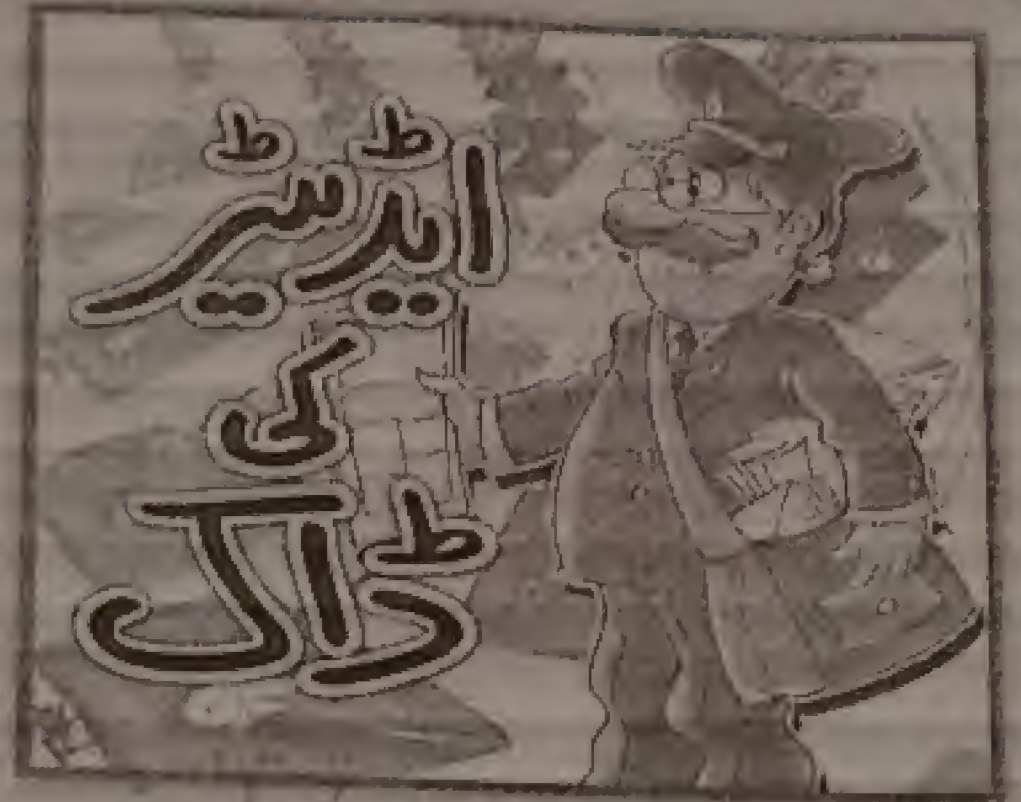
# کیا دس منٹ کا

پ	چ	ی	ن	ی	چ	ر	ا	د	ب
ہ	غ	د	ض	س	ل	ش	ء	ف	ط
ج	و	ل	و	ن	گ	ی	خ	ل	ز
ا	ڑ	ٹ	س	ل	ژ	ا	ک	ط	ی
ء	ظ	ک	ف	ک	م	ن	ل	ی	ر
ف	و	ے	ن	ص	ا	ض	و	م	ہ
ل	ت	ج	و	ا	ث	ب	ن	ف	ق
ہ	ڈ	ز	س	ن	ظ	ی	ج	ذ	ص
ج	ا	و	ت	ر	ی	ش	ی	ق	گ
چ	ر	م	گ	ع	ح	ک	ر	د	ا

آپ نے حروف ملا کر دس مصالحہ جات کے نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن الفاظ کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

لوٹک، زیرہ، مرچ، کلونجی، دارچینی، سونف، جائفل، نمک، جاوتری، ادراک





ندیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟

اس دفعہ کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ اس میں تین شہزادے ایک شہزادی، خطرناک سمندری بوڑھا کہانیاں بے حد پسند آئیں۔ اللہ کرے یہ رسالہ دن دگنی رات چٹنی ترقی کرے۔ آمین! (آیان نسیم) تعلیم و تربیت کی ساری میم کو السلام علیکم! ہر ماہ کی طرح اس بار بھی کسی ایک کہانی کو بہترین کہنا نا انصافی ہے۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ پچھلے ماہ امتحانات میں میری پہلی پوزیشن آئی۔ کیا آپ مجھے مبارک باد نہیں دیں گے؟ اللہ اس رسالے کو دن دگنی رات چٹنی ترقی عطا کرے۔ آمین! (مریم رضوان، راول پنڈی)

☆ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ میں آپ کے رسالے کا بہت شوقین ہوں۔ میں اسے آپ کا نہیں، اپنا رسالہ کہوں گا۔ میں بازار سے رسالہ خریدتا ہوں اور وہ دکان تقریباً گھر سے تین کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ مجھے تقریباً تین چکروں کے بعد رسالہ ملتا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں اس کا بہت شوقین ہوں اور مجھے اگر تین کی جگہ چھ چکر بھی لگانے پڑیں تو میں تیار ہوں۔ میرا دل لچاہتا ہے کہ اس کی ترقی اور مقبولیت میں کچھ لپٹا کر دار ادا کروں اور اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے آپ کو دوسرا خط لکھا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ میرے اس خط کا جواب ضرور دیں۔ گے آپ کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔ (رانا شاہ زیب احمد، چنیوٹ)

☆ خط لکھنے کا بہت شکریہ۔ اپنی تحریریں ضرور بھیجیں۔

السلام علیکم! ایڈیٹر صاحب، کیسی ہیں آپ؟ امید ہے کہ تعلیم و تربیت

کی پوری میم خیر و عافیت سے ہوگی۔ اس مہینے کا رسالہ بہت عمدہ تھا۔ سرورق ہمیشہ کی طرح رنگوں سے سجا ہوا تھا۔ محاورہ لہائی کا سلسلہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ تمام کہانیاں بہت اچھی اور سبق آموز تھیں۔ خاص طور پر دولت کا پجاری اور فرین چھوٹ گئی اور دل ناک سمندری بوڑھا بہت عمدہ تھیں۔ ہمارے گھر میں یہ ماہنامہ بہت شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ آپ نیا ناول کب شروع کر رہے ہیں؟ ہوا مہربانی فرعون سے متعلق بھی چند معلومات فراہم کریں۔ امید ہے میرا یہ خط آپ کی نوکری کی ذہنت نہیں بنے گا۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا۔ اللہ آپ کا محافظ و نگہبان۔ (مانشہ بیگم، بہاولپور)

السلام علیکم! امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی۔ سب سے پہلے تو میرا خط شائع کرنے کا شکریہ۔ کہانی تین شہزادے ایک شہزادی، اور فرین چھوٹ گئی اور خاص طور پر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کا صفحہ پڑھا تو بہت ہی مزہ آیا۔ ایک اور بات کہ کسی بھی انعامی سلسلے میں کام یاب لوگوں میں نام تو آ جاتا ہے لیکن کبھی انعام نہیں نکلا، کوئی انعام نکلنے کا گر بنائیں۔ میں اس بار بھی تحریریں بھیج رہی ہوں، پلیز شائع کریں۔ پچھلی مرتبہ تحریریں معیاری تھیں لیکن آپ نے شائع نہیں کیں۔ میں ناراض تو نہیں ہوں، البتہ میری بڑی خواہش ہے کہ میری بھی تحریریں شائع ہوں۔ کیا اگر ہم مارچ کے مہینے میں تحریریں بھیجتے ہیں تو وہ دو تین مہینوں بعد شائع ہو سکتی ہیں یا جس مہینے تحریریں بھیجیں اس سے اگلے مہینے ہی شائع ہوتی ہیں؟

ہمارا پیارا رسالہ تعلیم و تربیت  
ستاروں میں ستارہ تعلیم و تربیت  
تعلیم و تربیت کی میم رہے شاد  
تعلیم و تربیت زندہ باد

(مشیرہ سلیمان بٹ)

☆ تحریریں بچپن کے لیے انتظار کی رحمت تو اٹھانا پڑے گی، خط لکھنے کا بہت شکریہ بچوں کی تربیت میں تعلیم و تربیت کو بنیادی شرف حاصل ہے۔ تعلیم و تربیت جتنی مکمل اور اعلیٰ ہوگی، اسی قدر شخصیت بلند و بالا ہوگی۔ ڈیڑھ آلی! میں نے آپ اور ماں باپ کی دعاؤں سے دوسری پوزیشن حاصل کر لی ہے۔ میں نے کئی بار خط بھیجا ہے لیکن آپ نے انہیں ردی کی نوکری میں ڈال دیا۔ اگر اس بار شائع نہیں کیا تو میں کبھی بھی نہیں بھیجوں گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تعلیم و



ترتیب کو بہت زیادہ ترقی دے۔ آمین! (محمد عرفان آفریدی، جمروہ)  
 السلام علیکم! ایڈیٹر صاحب، کیسی ہیں آپ؟ اس ماہ کا رسالہ بہت اچھا  
 تھا اور اسی وجہ سے میں لکھنے پر مجبور ہو گئی۔ ہمیشہ کی طرح ٹائٹل اس  
 دفعہ بھی زبردست تھا۔ حمد و نعت بھی بہت اچھی تھی۔ درس قرآن و  
 حدیث تو مجھے بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ تین شہزادے ایک  
 شہزادی، کھڑکھاند گروپ، خطرناک سمندری بوڑھا، آئیے مسکرائیے،  
 سانجھا غم، زیادتی اور نظمیں ٹاپ پر تھیں۔ دو ماہ بعد شرکت کر رہی  
 ہوں کیوں کہ پیپرز تھے۔ میں نے آٹھویں جماعت میں اول  
 پوزیشن حاصل کی ہے۔ تعلیم و تربیت کا ہر ماہ شدت سے انتظار کرتی  
 ہوں۔ آپ خوش رہیں، آباد رہیں۔ آپ پر سلامتی ہو۔ اُمید ہے خط  
 شائع کر کے میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ اللہ ہم سب کا حامی و  
 ناصر ہو، اللہ حافظ! (حفصہ اعجاز، صوابی)

ڈیر ایڈیٹر السلام علیکم! اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو ترقی پہ ترقی عطا  
 فرماتا جائے۔ (آمین!) اپریل کا شمارہ ملا، پڑھ کر دل باغ باغ ہو  
 گیا۔ سب سلسلے بہت اچھے تھے۔ کھڑکھاند گروپ نے تو بہت  
 ہنسایا۔ تین شہزادے ایک شہزادی، زیادتی اور سانجھا غم بہت سپر ہٹ  
 تھیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے تاج محل بنانے کا موقع دیا تو سر  
 سید احمد کی طرح کا تاج محل بناؤں گا۔ (انشاء اللہ!) اللہ کرے اس  
 دفعہ آپ کی ردی کی ٹوکری کو ہی مجھ پر ترس آجائے، ہر دفعہ میرا  
 خط آپ کی ردی کی ٹوکری ہڑپ کر جاتی ہے۔ (فدا حسین، اوکاڑہ)  
 اس ماہ کا رسالہ ایک دم زبردست تھا۔ سرور قی بھی عمدہ تھا۔ ادارہ  
 میں سبق آموز واقعہ پڑھنے کو ملا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ ایک تھی۔  
 کھڑکھاند گروپ، سندباد جہازی مزے دار سلسلے ہیں، انہیں جاری  
 رکھیے گا۔ اجلا بچپن روشن بڑھاپا اور آگس ہاکی معلومات سے بھرپور  
 مضامین تھے۔ آپ نے میرا خط کچھ ماہ سے شائع نہیں کیا، اس لیے  
 تھوڑا سا ناراض ہوں۔ اب کوئی نیا دلچسپ ناول شروع کریں۔ اللہ  
 تعالیٰ آپ کی پوری ٹیم کو صحت اور ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

(محمد افضل انصاری، چوہنگ لاہور)

میں اس وقت چھٹی کلاس میں تھا جب پہلی بار اپنے محبوب  
 رسالے سے تعارف ہوا۔ اس کے بعد ایف ایس سی تک ہر ماہ  
 تعلیم و تربیت میری لاہوری کی زینت بنا رہا۔ 2010ء میں میرا  
 داخلہ علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور میں ایم بی بی ایس میں ہو

گیا۔ پھر اپنی گونا گوں مصروفیات اور تعلیمی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ  
 سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تعلیم و تربیت نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔ میں اب  
 علامہ اقبال میڈیکل کالج کے سالانہ مجلہ ”شاہین“ کا ایڈیٹر بھی  
 ہوں۔ گزشتہ دنوں ایک ضروری کام سے بک شاپ پر جانا ہوا،  
 وہاں اچانک میری نظر تعلیم و تربیت کے شمارہ اپریل پر پڑ گئی۔ میں  
 نے خریدنے میں دیر نہیں لگائی۔ شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔  
 مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ گزشتہ چند سالوں میں تعلیم و  
 تربیت میں کافی مثبت تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

شمارہ اپریل میں حمد و نعت اور درس قرآن و حدیث حسب  
 معمول لا جواب تھیں۔ اوجھل خاکے، کھیل دس منٹ کا، بوجھو تو  
 جانیں، کھوج لگائیے، بلا عنوان اور دماغ لڑاؤ بہت ہی مفید اور  
 معلوماتی ہیں۔ بچوں کا انسائیکلو پیڈیا بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اس کے  
 علاوہ زیادتی، تین شہزادے ایک شہزادی اور سندباد جہازی کا سفر بہت  
 پسند آیا۔ علامہ اقبال میڈیکل کالج کی نسبت سے علامہ اقبال کے  
 متعلق تمام تحاریر بہت پسند آئیں۔ میں اب اپنے فیملی اور دوستوں  
 کے بچوں کو تعلیم و تربیت پڑھنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ تمام نئے لکھاری  
 بہت اچھے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کو دن دگنی رات  
 چلتی ترقی دے۔ آمین! آپ براہ کرم میرا یہ خط شائع فرمائیں۔  
 (محمد شفقت سیال، جھنگ)

### ان ساتھیوں کے خطوط بھی پڑے مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

حافظ احمد محمود۔ محمد زبیر جمشید علی، جہانیاں خانیوال۔ شبن جمیل، اسلام  
 آباد۔ جویریہ ادریس، سیال کوٹ۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ اظہر  
 عباس، چنیوٹ۔ محمد شکیب مسرت، بہاول پور۔ محمد حمزہ لغاری، میانوالی۔  
 محمد بلال عرف سیفی، سیال کوٹ۔ عائشہ محبوب، لاہور۔ محمد حظلہ سعید،  
 حنہ حور، فیصل آباد۔ سیدہ تحریم مختار، عثمان اکرم، ملتان۔ طوبی زہرہ،  
 جھنگ صدر۔ محمد مجیر خان، بھکر۔ فائزہ عابد، مریم ثاقب، حافظ حذیفہ  
 عابد، الہ آباد۔ عبدالرحیم، بیر محل۔ سدرہ رحمن، بہاول پور۔ ناظرہ مقدس،  
 شرق پور۔ منزل علی جعفری، عزیز آباد۔ مریم اعجاز، لاہور۔ محمد قمر الزمان  
 صائم، خوشاب۔ ابرار الحق، تسنیم زاہدہ، راجہ جنگ۔ محمد طلحہ حسن، ڈیرہ  
 اسماعیل خان۔ عشیہ الریفہ، لاہور۔ سامیہ رمضان اعوان، شیخوپورہ۔ شبن  
 سلطان، فیصل آباد۔ عروج صادق۔ ذیشان رضا ام کلثوم۔ حارث،  
 وارث۔ مقدس چوہدری، راول پنڈی۔ وردہ زہرہ، جھنگ صدر۔



# چٹائی یوم تکبیر



ہندوستان اور سینڈک شامل ہیں۔ نوشکی شہر سے جنوب میں چند کلو میٹر کے فاصلے پر اس کوہ کا پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا ہے جو جنوب مغرب کی سمت دو سو کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کوہ ضلع چٹائی کی جنوبی سرحد کا کام بھی کرتا ہے۔ اس کے پار ضلع خاران کا صحرائی علاقہ ہے۔ اس کوہ پہاڑی پر ہی پاکستان نے انٹرنی ڈھماکے کیے۔

پاکستان کے انٹرنی طاقت بننے کی داستان کا آغاز 1971ء کی اس پاک بھارت جنگ سے ہوتا ہے جب 16 دسمبر کی شام

جب ڈھاکہ کے رئیس کورس گراؤنڈ سے دُنیائے یہ منظر دیکھا کہ پاکستانی فوج نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جنگ میں فتح کے ساتھ فطرت کے لیے ہر سپاہی تیار رہتا ہے، مگر جب دشمن ملک کے جنرل نے پاکستان کے جنرل نیازی کے سینے سے قومی بیج جس نفرت سے لٹو چا، اس نے سب ہی کو رنجیدہ کر دیا۔ یہی منظر وطن سے دور ہالینڈ میں موجود ایک پاکستانی انٹرنی سائنس دان بھی دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے میں نفرت کا شعلہ بھڑکا۔ اس نے سوچا کہ دشمن آئندہ بھی یوں ہی میرے وطن کا شیرازہ بکھیرتا رہے گا۔ اس سے چھ سال قبل 1965ء میں بھی وہ ایک جنگ ہم پر مسلط کر چکا ہے۔ اس محبت وطن سائنس دان کی نفرت میں اس وقت حرید اضافہ ہوا، جب دشمن نے 1973ء میں پہلا انٹرنی ڈھماکہ کر کے خطے کے امن کو برباد کر دیا۔

دشمن اپنی طاقت کے نشے میں اپنے پڑوسی ملک پاکستان کو ختم کرنے کے درپے تھا۔ یہ بات سب ہی محسوس کر رہے تھے۔ پاکستان کے سابق وزیراعظم اور ان کے رفقاء کو بھی اس صورت حال نے پریشان کر رکھا تھا۔ ہالینڈ میں موجود جوہری سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان جب چینوں پر پاکستان آئے تو سابق وزیراعظم نے انہیں اس مسئلے کے حل کے لیے ملاقات کی دعوت دی۔ سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ بڑھتا گیا اور

پاکستان کے سب سے بڑے رقبے والے صوبے بلوچستان میں چٹائی نام کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو آج دنیا بھر میں جانا پہچانا حوالہ ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ مقام اس علاقے کو کیسے ملا؟ جی ہاں! یہیں پر پاکستان نے 28 مئی 1998ء کو 5 انٹرنی ڈھماکے کیے۔ اس کے دو روز بعد 30 مئی 1998ء کو ایک اور انٹرنی ڈھماکہ کر کے پاکستان اسلامی دنیا کا پہلا اور دنیا کا ساتواں انٹرنی طاقت والا ملک بن گیا۔

چٹائی کا صدر مقام نوشکی ہے جو کوہ سے تقریباً سو میل دور قومی شاہراہ آرسی ڈی پر واقع ہے۔ یہ 1896ء میں ضلع بنایا۔ یہاں بلوچتیا اور برادھوی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اس علاقے کی سرحدیں ایران اور افغانستان کے ساتھ ملتی ہیں۔ ایک اور خاص بات جو اس علاقے کی ہے، وہ یہ کہ یہاں مارٹیل اور اونیکس (Onyx) کے ذخائر بکثرت موجود ہیں۔ اس ضلع کا رقبہ پچاس ہزار کلو میٹر سے زائد ہے۔

لوہتری شہل کے اس علاقے کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہی ضلع خاران ہے جہاں مغل بادشاہ نصیر الدین ہمایوں نے ایک جنگ میں شکست کے بعد پناہ حاصل کی تھی۔ یہیں نور الدین محمد جہانگیر کی چٹائی ملک اور جہاں پیدا ہوئی تھی۔

چٹائی ضلع کے اہم شہروں میں صدر مقام نوشکی کے علاوہ دال



پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے کا عملی کام شروع ہوا۔ ہر کام کی طرح ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے اس عزم میں دیوار بننے کے لیے غیروں کے ساتھ ساتھ اپنے بھی موجود تھے مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے عہد کیا تھا کہ میں اپنی ہر صلاحیت وطن کے لیے استعمال کروں گا۔ اب میرا جینا مرنا اسی پاکستان کے لیے ہے۔

پاکستانی فوج اور اس کے سربراہان بھی شروع دن سے ہی اس منصوبے کی کامیابی کے لیے اپنے مکمل تعاون کے ساتھ موجود تھے۔ بالآخر وہ دن آئی پہنچا جب پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی۔ ایک اسلامی ملک کا ایٹمی طاقت بننا مغربی ممالک کے ساتھ ساتھ کئی ایشیائی ممالک کی آنکھوں میں بھی کھٹک رہا تھا۔

پھر ایک دن ایسا آیا جب پاکستان کو ایٹمی صلاحیت کے مظاہرے کا موقع مل گیا۔ یہ موقع بھی ہمارے دشمن نے فراہم کیا۔ اس نے مئی 1998ء میں ایک بار پھر ایٹمی دھماکہ کر کے خود کو خطے کا اگلی طاقت ثابت کرنا چاہ رہا تھا۔ اس وقت وزیراعظم محمد نواز شریف تھے۔ اب پاکستان کے پاس ایٹمی دھماکہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، کیوں کہ دشمن پر جب بھی خوف طاری نہ ہو، اس کے قدم روکنا مشکل تھا۔ آخر کار دنیا کو یقین کرنا پڑا کہ پاکستان دنیا کا ساتواں اور اسلامی دنیا کا پہلا ایٹمی طاقت رکھنے والا ملک بن چکا ہے۔

یہ 28 مئی 1998ء کا ایک خوش گوار دن تھا جب پاکستان نے ڈاکٹر عبدالقدیر کی محنت سے اور محمد نواز شریف کی سربراہی میں ایٹمی دھماکہ کر کے دشمن کے اٹھنے والے ناپاک قدم روک دیئے تھے۔ اس دن پاکستان نے چاغی کے مقام پر 5 ایٹمی دھماکے کیے اور پھر دو دن بعد 30 مئی 1998ء کو ایک اور دھماکہ کیا۔ یہ پاکستان کی ایک بڑی فتح تھی، جس پر ساری قوم خوش تھی۔ قوم نے بلاشبہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ”محسن پاکستان“ کا خطاب دیا۔ وہ اس اعزاز کے بجا طور پر حق دار بھی تھے۔ انہوں نے دن رات آرام کی پرواہ کیے بغیر ملک کو ایٹمی طاقت بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپریل 1936ء میں عبدالغفور خان کے گھر بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد استاد تھے۔ ان کی تربیت میں والد کے ساتھ ساتھ والدہ زلیخا بیگم کا بھی بھرپور ہاتھ تھا۔ مذہبی ماحول بچپن ہی سے وہ نماز روزے کے پابند تھے۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ قرآن مجید بھی پڑھا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر کے قریب موجود پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ چوتھی جماعت میں انہوں نے پہلی پوزیشن حاصل کی۔

میٹرک کے بعد 1952ء میں وہ پاکستان آ گئے۔ کراچی میں انہوں نے ڈی جے سائنس کالج میں داخلہ لیا۔ 1957ء میں بی ایس سی امتیازی نمبروں کے ساتھ کیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد مقابلے کا امتحان پاس کر کے انسپکٹر اوزان و پیمانہ جات مقرر ہوئے۔ اسی دوران ہالینڈ جانے کا موقع ملا۔ وہاں سے میکینیکل یونیورسٹی، سے ایم ایس سی کیا اور 1967ء میں پاکستان آ گئے۔ پھر دوبارہ ہالینڈ چلے گئے۔ بعد میں ٹیلیفون کی لیون یونیورسٹی سے طبی فلزات میں پی ایچ ڈی کیا۔ اس کے بعد انہیں ایکسٹرنل، ہالینڈ کی معروف فرم فزیکل ڈائنامیکل ریسرچ لیبارٹری کا حصہ بنے۔

انہوں نے ہالینڈ میں پُر آسائش زندگی چھوڑ کر پاکستان کو ایٹمی طاقت بنانے کا عزم کیا تو ان کی تنخواہ اور سہولیات ہالینڈ کے مقابلے میں انتہائی کم تھیں۔ وہ اکثر بھوپال سے پاکستان ہجرت کے دوران خود کے ساتھ پیش آنے والے تلخ تجربات دہراتے تھے۔ سفر کے دوران ہندو پولیس اور ریلوے ملازمین لٹے پٹے مسافروں کے ساتھ جو سلوک روا رکھتے تھے، وہ انتہائی ذلت آمیز اور ناقابل برداشت ہوتا تھا۔ ٹکٹ چیکر، چیکنگ کے بہانے سامان، یہاں تک کہ عورتوں کے کانوں سے سونے کی بالیاں تک اتروا لیتے تھے۔ احتجاج کرنے پر لاتوں، جوتوں اور ڈنڈوں کی بارش کر دی جاتی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا قلم بھی چھین لیا گیا۔ وہ اس سلوک کو کبھی فراموش نہیں کر سکے۔

ایک بار ایک دست شناس نے ان کے بارے میں کہا تھا: ”آپ بہت جلد ولایت چلے جائیں گے۔ وقت بڑا کٹھن اور محنت طلب گزرے گا مگر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی آرزو پوری ہوگی۔ شادی غیر ملکی لڑکی سے ہوگی۔ تکمیل تعلیم کے بعد کچھ عرصہ فنی کام کریں گے۔ پھر وطن واپس آئیں گے اور اپنے ملک میں ایسا کارنامہ سرانجام دیں گے کہ پاکستان کا نام دنیا میں روشن ہو جائے گا۔ ملک میں بے حد عزت ملے گی۔ لوگوں کے دل آپ کا نام سن کر محبت کے جذبات سے ابھر س گئے۔“

یہ تمام باتیں سچ ثابت ہوئیں۔ پاکستان نے جب ایٹمی دھماکہ کیا تو اس وقت ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ان کے والد کی وہ نصیحتیں بھی یاد آئی ہوں گی جو انہوں نے بچپن میں کی تھیں۔ ”قدیر بیٹے! تجھے اس دلوں حال قوم کا سر اُونچا کرنا ہے۔ دیکھ لینا قیامت کے دن رسول عربی کی بارگاہ میں جب میں حاضر ہوں تو میرا سر شرمندگی سے نہیں جھکنا چاہیے۔ میرا نہیں اسلام کا مان رکھنا۔ ☆☆☆



# پھر اسرار دریا



معلوم ہوا کہ یہ رخ بھی غلط ہے۔ پھر دوبارہ کپتان اور نائب کپتان کا مشورہ ہوا اور اب کی بار جہاز کو شمال سے مشرق کی سمت موڑ دیا گیا۔ دوسرے مسافروں کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اس بات پر تشویش تھی کہ معلوم نہیں یہ رخ بھی صحیح ہے کہ نہیں۔ کپتان اور نائب کپتان بھی بے چینی کا شکار تھے لیکن بہر حال ہم سمندر میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ان سب حالات میں ایک بات اطمینان کی تھی کہ جہاز میں خوراک کا کافی ذخیرہ تھا اور ہم کم از کم ایک ماہ تک اپنی ضروریات بڑی آسانی سے پوری کر سکتے تھے۔

اس سے اگلے سے اگلے دن کا واقعہ ہے کہ صبح کے وقت اچانک کپتان نے اپنی جگہ چھوڑی، اپنی پگڑی عرشے پر پھینکی، اپنی قمیص پھاڑی اور پھر اپنا سینہ کھینچے ہوئے یوں چیخنے چلانے لگا جیسے دیوانہ ہو گیا ہو۔ سب مسافر حیران ہو گئے۔ دو آدمیوں نے اسے پکڑ کر سیدھا کیا اور پوچھا: ”اللہ کے بندے! تجھے کیا ہو گیا ہے؟“ وہ روتے ہوئے کہنے لگا: ”ہم لٹ گئے، ہم برباد ہو گئے، سب کچھ تباہ ہو جائے گا، اب کوئی بھی نہیں بچے گا، ہائے ہماری قسمت!“ یہ کہہ کر اس نے سامنے مشرق کی طرف اشارہ کر دیا۔ ہم نے جو گھوم کر مشرق کی طرف دیکھا تو سشدر رہ گئے۔ اس طرف سمندر کے پتھوں بچ ایک عظیم الشان پہاڑ اسی طرح کھڑا تھا

دوستو! آپ یقیناً اس بات پر حیران ہوتے ہوں گے کہ میں اتنے سفر کیوں کرتا ہوں۔ آپ تو کیا کبھی کبھی مجھے خود بھی اپنی اس ہنگامہ خیز زندگی پر تعجب ہوتا ہے لیکن کیا کروں؟ شاید میری قسمت میں ہی اتنے سفر لکھے ہیں۔ جیسی تو ایسا ہوتا ہے کہ میں جب بھی کسی سفر سے واپس آتا ہوں، تھوڑا عرصہ گھر میں آرام کرتا ہوں اور پھر نئے سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہوں۔

آج میں آپ کو اپنے چھٹے سفر کی داستان سناتا ہوں۔ اس مرتبہ بھی پچھلے سفر کی طرح میں لہرہ سے بحری جہاز میں سوار ہوا اور نامعلوم علاقوں کی طرف چل نکلا۔ پہلے چار دن تو خیریت سے گزرے، پھر ایک رات سمندر میں شدید طوفان آ گیا۔

سمندری طوفان کی اپنی ہی ایک مصیبت ہوتی ہے۔ بادل مگر جتے ہیں، بجلی کڑکتی ہے، بارش برسی ہے اور نیچے موجیں بھرتی ہیں۔ غرض اس قسم کے طوفانوں میں زندہ سلامت بچ جانا، بڑی بات ہوتی ہے۔ طوفان ساری رات جاری رہا۔ ہم زندہ سلامت تو بچ گئے لیکن ایک بد قسمتی یہ ہوئی کہ کپتان راستہ بھول گیا۔ پورے دو دن جہاز سمندر میں ادھر ادھر بھٹکتا رہا، پھر اگلے دن کپتان نے نائب کپتان کے مشورے سے جہاز کو شمالی رخ پر ڈال دیا۔

جہاز شمال کی سمت سمندر میں کئی دن آگے بڑھتا رہا لیکن بعد میں



جیسے ابھی ابھی جادو کے زور سے سمندر میں سے نکل آیا ہو۔ پہاڑ کی چوٹی آسمان سے باتیں کر رہی تھی اور اس کی جڑ میں ایک گہرا سرنگ نما غار تھا۔ سمندر کا پانی اس جگہ اس غار میں ایک دریا کی مانند داخل ہو رہا تھا۔ پہاڑ سے ایک میل کے فاصلے تک ہوا کا دباؤ بہت زیادہ تھا، اسی لیے جو چیز بھی اس ایک میل کے دائرے میں آ جاتی، لہروں کے بہاؤ کی وجہ سے تیزی سے غار میں داخل ہو جاتی اور ہمارا جہاز اس ایک میل کے دائرے میں آ چکا تھا۔ دھند کی وجہ سے کپتان کو صحیح رخ کا علم نہ ہوا اور اب جہاز تیزی سے پہاڑ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”ہم لٹ گئے، ہم برباد ہو گئے، ہماری زندگی اب تھوڑی دیر کی رہ گئی ہے۔“ کپتان نے پھر وہی بات کہی اور رونے لگا۔ ہم سب کو صورت حال کی سنگینی کا علم ہو گیا اور ہم سب عرشے پر گم ضم کھڑے جہاز کو غار کی طرف بڑھتا دیکھ رہے تھے۔

میں اس بات پر حیران تھا کہ یا اللہ! اس پہاڑ کا معاملہ کیا ہے، اس کا سرنگ کی طرح کا یہ غار کیسا ہے اور اس کے دوسری طرف کیا ہے لیکن مجھے یہ سب باتیں کون بتاتا؟ سب لوگ میری طرح اپنے آپ کو موت کے منہ میں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

جہاز جوں جوں غار کے قریب ہو رہا تھا، اس کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ غار کے بالکل قریب پہنچ کر اس میں اتنی تیزی آ گئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی اڑنے لگا ہو۔ اگلے ہی لمحے جہاز غار کے دھانے سے جا ٹکرایا۔ ایسا زور دار دھماکہ ہوا اور یوں لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ جہازی قلابازیاں کھاتے ہوئے پانی میں گرے لیکن لہروں نے انہیں پھر اوپر اُچھال دیا۔ جہاز کے ٹکڑے ہو گئے۔ میں نے ہاتھ پاؤں مار کر جلدی سے ایک تختہ پکڑ لیا لیکن حالت یہ تھی کہ کبھی پانی کے اوپر، کبھی نیچے ہوتا تھا۔ لہروں کے شور، سمندری پانی کی جھاگ، مسافروں کی چیخ پکار اور جہاز کی ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ آخری منظر جو میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ میں، جہاز، سامان اور سارے جہازی ہم سب تاریکی میں ڈوب رہے ہیں۔ اس کے بعد مجھ پر غنودگی چھا گئی اور مجھے کچھ پتا نہ چلا کہ میں کہاں ہوں۔

معلوم نہیں میں کب تک بے ہوش رہا لیکن جب مجھے ہوش آیا تو میں نے محسوس کیا کہ کسی خشک زمین پر لیٹا ہوا ہوں اور سورج میرے سامنے آسمان پر چمک رہا ہے۔ اس کی روشنی سے میری آنکھیں چندھیا

رہی تھیں۔ میری دائیں جانب کوئی بوڑھا آدمی بیٹھا قرآن کی سورتیں پڑھ رہا تھا۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس نے تلاوت ختم کی اور میرے چہرے پر دم کر دیا۔ پھر میری زبان میں کہنے لگا: ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اپنے یاد کرنے والے کو نہیں بھولتا۔“

یہ فقرہ سن کر مجھے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ پہلی یہ کہ میں زندہ ہوں اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے درمیان ہوں۔ نہیں معلوم کہ ان دونوں خوشیوں کا اثر تھا یا کمزوری کا غلبہ کہ میں دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔

پھر جب مجھے ہوش آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں کسی کمرے میں آرام وہ بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ میرے ارد گرد کئی حبشی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی رنگت سیاہی مائل اور ناک چوٹی تھی۔ مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر ان میں سے ایک کہنے لگا: ”گھبراؤ مت نوجوان! تم بڑے کریم لوگوں میں ہو۔“ یہ سن کر مجھے کچھ حوصلہ ہوا اور میں شکر یہ بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے مجھے یٹنی کا پیالہ لاتھمایا۔ میں نے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیا۔ جب ذرا طاقت بحال ہوئی تو میں پوری طرح اُٹھ بیٹھا۔ وہ سب مجھے بھائی چارے کے جذبے سے دیکھنے لگے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ انہیں اپنی ساری داستان کہہ سناؤں۔ چنانچہ میں نے چھٹے سفر کی ساری کہانی شروع سے اب تک انہیں سنا دی۔ انہوں نے پہلے تو حیرانی کا اظہار کیا، پھر تسلی دی اور مجھے کہا کہ صبح وہ مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے چلیں گے۔

اگلی صبح میں ان لوگوں کے ساتھ ان کے بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اپنی چالیس سالہ زندگی میں میں نے بڑے بڑے بادشاہ اور ان کے محلات دیکھے لیکن اس بادشاہ کے محل کی شان و شوکت دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ ایسا بلند و بالا اور اتنی قیمتی آرائشوں سے سجا ہوا محل میں نے زندگی میں نہ دیکھا تھا۔ بادشاہ خود بھی بہت رحم دل اور نیک نفس تھا۔ اس نے میری ساری رام کہانی سنی اور حکم دیا کہ مجھے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا جائے اور میری خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ چنانچہ ایک فوجی افسر کو میری خدمت پر مقرر کر دیا گیا اور میں شاہی مہمان خانے میں بڑے آرام سے رہنے لگا۔ روزانہ ایک مخصوص وقت پر میں نے دربار میں حاضری دینی ہوتی، باقی وقت میں شہر کی سیاحت میں گزارتا تھا۔

جس شہر میں میں اس وقت موجود تھا، اسے سراندرپ کہتے ہیں۔





یہ شہر دراصل ایک بہت بڑے پہاڑ کی  
جزیرہ نما وادی ہے۔ اسی پہاڑ کی ایک  
کھوہ سے وہ دریا نکلتا ہے جس کے  
کنارے پر ان لوگوں کو بے ہوش پڑا ملا  
تھا۔ یہ پہاڑ اتنا بلند ہے کہ سمندر میں  
دو تین دن کی دوری سے نظر آتا ہے۔  
سراندیپ کا شہر اور اسی کے  
اردگرد کے جزیرے خط استوا کے عین  
نیچے واقع ہیں۔ یہاں پر سورج بالکل  
سیدھا چمکتا ہے۔ شام کو روزانہ بارش  
ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہریالی بہت  
ہے۔ میں جن دنوں وہاں تھا، ہر  
طرف خوشی اور خوش حالی کا راج تھا۔  
لوگ بڑے چین کی زندگی گزار رہے  
تھے۔ یہ لوگ خوش خوراک بھی تھے  
اور خوش لباس بھی۔ میں نے بھی ان

بغداد میں مشہور ہو گیا۔

اس سفر میں نہ میرا تجارتی سامان بچا اور نہ میں نے تجارت کی  
بلکہ جب میں واپس بغداد آیا تو میرے پاس شاہ سراندیپ کے دیئے  
ہوئے تحفوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ میرا سفر اس اعتبار سے حیرت انگیز  
تھا کہ اس سے مجھے بہت شہرت ملی۔ اب حال یہ تھا کہ امیروں  
وزیروں کے علاوہ عام لوگ بھی یہ چاہتے تھے کہ میں ان کے ساتھ  
بیٹھوں، گپ شپ کروں اور انہیں اس دیوقامت پہاڑ کے بارے میں  
بتاؤں جو سمندر کے درمیان میں واقع ہے۔ چنانچہ میں نے ان  
میں سے اکثر کی دعوت کو قبول کیا اور خوب دل کھول کر سفر کی تفصیلات  
بیان کیں۔ شاید اسی کا یہ اثر تھا کہ بعد میں بغداد کے کئی تاجروں نے  
مجھے اس بات کی پیش کش کی کہ میں ان کے ساتھ تجارت میں حصے  
دار بن جاؤں۔ میں نے ان تجویزوں کو بھی قبول کیا اور یوں ان حصے  
داروں کی وجہ سے مجھے گھر بیٹھے منافع ملنے لگا۔

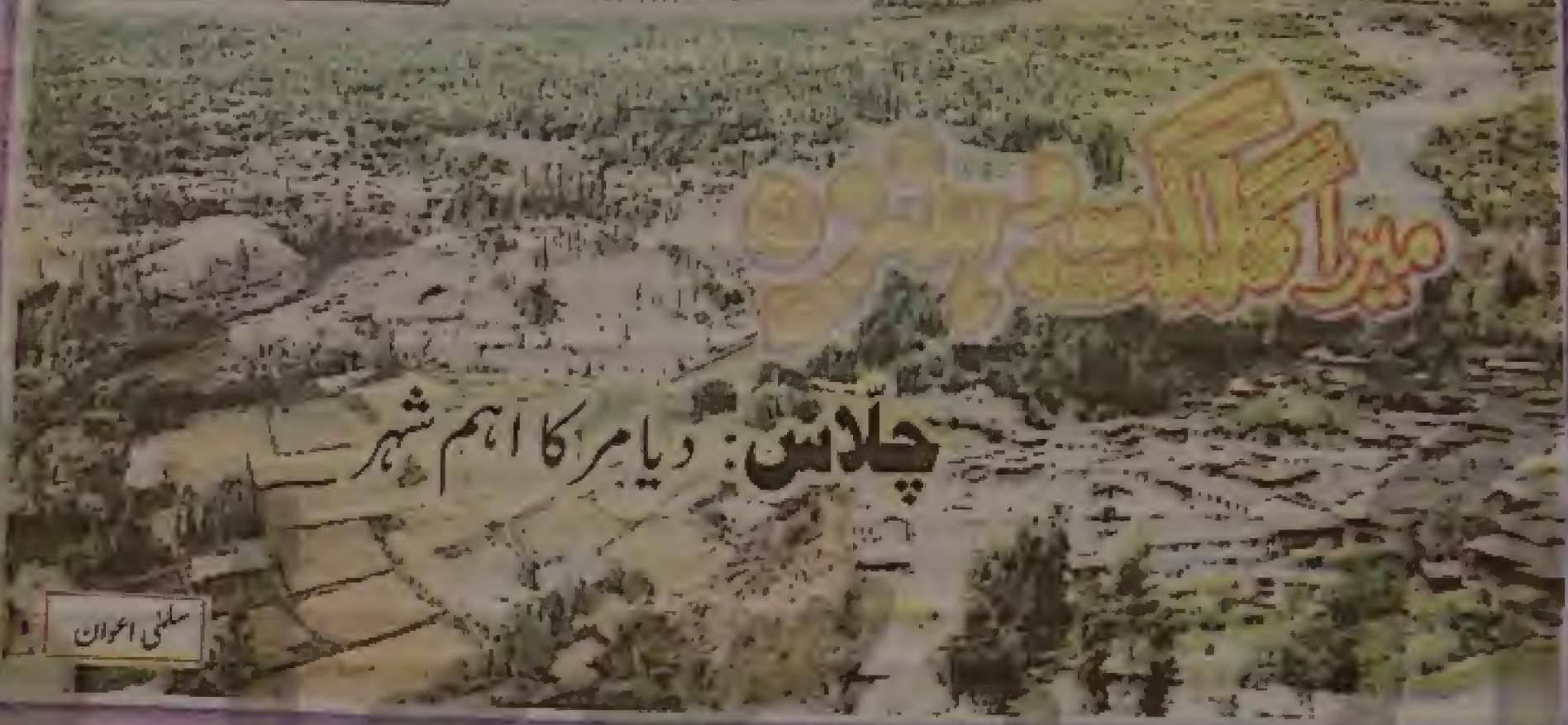
بعد میں میں اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ پچھلے سفروں  
میں مشقت زیادہ ہوتی تھی اور دولت کم ملتی تھی لیکن اسی سفر میں  
مشقت کم ہوئی اور دولت زیادہ ملی۔ ☆☆☆

میں بڑا اچھا وقت گزارا۔ پھر آہستہ آہستہ مجھے اپنے وطن کی یاد آنے  
لگی۔ آخر ایک دن میں نے بادشاہ سے عرض کی کہ واپسی کی  
اجازت دے دی جائے۔ بادشاہ نے میری درخواست کو بڑی خوشی  
سے قبول کر لیا اور بغداد کے خلیفہ کے نام ایک خط دیا، جس میں  
اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا گیا تھا۔ مجھے یہ ہدایت کی گئی کہ  
اس خط کو پوری ذمہ داری سے خلیفہ کی خدمت میں پہنچاؤں۔  
اس کے بعد مجھے بڑے عزت اور احترام سے سراندیپ سے  
رخصت کیا گیا۔ بندرگاہ پر ایک فوجی دستہ مجھے سلامی دینے آیا اور  
بڑے اعزاز سے مجھے جہاز میں سوار کرایا گیا۔

میں ان لوگوں کی اچھی یاد ہی دل میں لیے ہوئے منزلوں پہ  
منزلیں مارتا ہوا بغداد پہنچا۔ پہلا کام یہ کیا کہ خلیفہ کی خدمت میں  
حاضر ہو کر شاہ سراندیپ کا خط اور تحائف پہنچائے۔

اس زمانہ میں اس عجیب و غریب اور دور دراز ملک کے  
بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ بہت سارے تو اس کا نام سن کر  
حیران ہوئے اور بہت سے جہاز ران مجھ سے وہاں تک پہنچنے کا  
راستہ دریافت کرنے لگے۔ اس طرح میں چند دن میں ہی سارے





## چلاس: دیامر کا اہم شہر

سہیلی اعوان

ہونٹ سل گئے تھے۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اس وقت چلاس کے پہاڑوں سے ٹکرا کر جو ہوائیں لوٹی تھیں وہ تیز بھی تھیں اور گرم بھی۔ نانگا پربت کی برف کے پیرہن پہنے چوٹیاں جن پر سورج کی طلحائی کرنیں کیسے کیسے دلفریب نقش و نگار بنا رہی تھیں۔ مجھ پر جذب کی گہری کیفیت طاری تھی۔ جی چاہتا تھا وجود کی قید سے آزاد ہو کر ان کے سینے پر چڑھ دوڑوں۔ حسن فطرت کی شراب اس فیاضی سے بہہ رہی تھی کہ میری آنکھیں پی پی کر سیراب ہونے کی بجائے مزید پیاسی ہو رہی تھیں۔

میں نے نگاہوں کا رخ پھیرا۔ آسمان کی نیلی وسعتوں سے زمین کی خاکستری پنہائیوں میں آئی سونیوال کوٹ کی ہستی شاہ بلوط کے جھومتے سبز درختوں کے درمیان کھڑی تھی۔ دُور بین کی آنکھیں مجھے چھوٹی چھوٹی تفصیلات سنانے لگی تھیں۔ مثلاً گھروں کے آنگن سونے تھے۔ خاصی گنجان وادی تھی لیکن زندگی کی جیتی جاگتی علامت دھواں تین چار گھروں کے سوا کہیں سے نہیں اُٹھ رہا تھا۔ ڈھور ڈنگر بھی نظر نہیں آتے تھے اور انسان بھی کم و بیش نظروں کی زد سے باہر تھے۔ چند بوڑھوں نے ضرور اپنی موجودگی کا احساس دلایا تھا۔ گلیوں اور گھروں میں اُچھلتے ناچتے بچوں کی عدم موجودگی تشویش ناک تھی۔ میں نے لڑکے سے اس ویرانی کا سبب پوچھا۔

میرا پہلا پڑاؤ چلاس تھا۔ چلاس کا شہر شاہراہ ریشم سے خاصی بلندی پر ہے۔ چاندنی ہوٹل میں جب مسافر ناشتا کر رہے تھے میں نے ہوٹل والے سے بات کی جس نے ایک نو عمر لڑکے کو جگایا جو کرائے پر سوزو کی چلاتا تھا۔ میں روپے کے عوض وہ مجھے لے جانے پر آمادہ ہوا۔ سوزو کی نے رخ پھیرا۔ ذرا فاصلے پر شنگریلا تھا۔ اتر مارشل اصغر خان کے چھوٹے بھائی بریگیڈیئر اسلم کا شنگریلا ہوٹل۔ شمالی علاقہ جات میں ان منجے شنگریلا ہوٹلوں نے دھوم مچا رکھی ہے۔ خاص طور پر شنگریلا بلتستان نے۔

دفعتاً میں نے اپنے دائیں ہاتھ دیکھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کنچن چنگا سورج کی اولین کرنوں میں ہستی ہو اور کہتی ہو کہ خواہشیں اور آرزوئیں اگر سچی طلب رکھتی ہیں تو کسی نہ کسی روپ میں ضرور پوری ہوتی ہیں۔

میں نے ڈرائیور لڑکے کی طرف دیکھا۔ اس نے میری آنکھوں سے چھلکتے سوال کا مفہوم سمجھا اور بولا۔ ”یہ نانگا پربت ہے۔ استور اور چلاس کا درمیانی پہاڑ۔ دُنیا کی چھٹی اونچی چوٹی جس کی بلندی 8126 میٹر ہے۔“ میں سوزو کی سے نیچے اتر آئی تھی۔

ڈرائیور لڑکا بولے جا رہا تھا۔ میرے کان بند ہو گئے تھے۔

2015

62



پتا چلا کہ چلاس بنگلہ سارے شمالی علاقوں میں سب سے زیادہ گرم ہے۔ گرمیاں شروع ہوتے ہی سب کے لوگ ٹھنڈی جگہوں پر چلے جاتے ہیں۔ یہ کسی بواب شاہین آباد کہلاتی ہے۔ موسم گرما کے آغاز میں ہی کئی داس اور نیاٹ کے ٹالوں میں چلی گئی ہے۔ بات سمجھ میں آ جائے تو سر کا ہلنا فطری امر ہے۔ میں بھی ہلنے سر کے ساتھ آ کر سوزوکی میں بیٹھ گئی۔

لڑکے نے سوزوکی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

نانکا پرست کو مقامی لوگ دیکھ رہے ہیں۔ ہماری زبان میں اس کے معنی ہیں پریوں کے رہنے کی جگہ۔ یہ بات مشہور ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر پریاں رہتی ہیں۔ اب لوگوں نے کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ سب غلط باتیں ہیں۔

میں نے نانکا پرست کے حسن کو پھر دیکھا اور لڑکے سے کہا۔

”ارے غلط کیوں ہیں؟ حسن و رعنائی کے خیالی یا حقیقی پیکر ایسی دل آویز جگہوں پر نہ رہیں گے تو کیا پنڈی بھنیاں کے چمک نمبر 88 کی روزیوں پر ڈیرے ڈالیں گے۔“

لڑکا کھٹکھٹا کر ہنسا۔ بات شاید اس کے دل کو لگی تھی۔

میرے سامنے بنگلہ کے کنارے واقع ایک اور آبادی تھی۔ چلاس بازار سوا سو اونچائی پر ہے۔ بنگلہ چلاس کا مشہور نالہ ہے۔ چلاس کے اکثریتی قبیلے بنو کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ اکثریت شین ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ تاریخ کی قدیم ترین بستی ہے۔ بنو کوٹ کی بستی بھی ویران نظر آ رہی تھی۔ لڑکا بتا رہا تھا کہ بیشتر لوگ اس مال مویشیوں کے ساتھ بنگلہ کی چرگاہوں میں چلے گئے ہیں۔ وہیں مکئی کی فصل کاٹ کر اکتوبر میں واپس آئیں گے۔

اللہ! اب میں ساری جان سے لرزی تھی۔ یہاں تو بستیاں ویران پڑی ہیں۔ جن کی مہمان بننے جا رہی ہوں وہ بھی اگر ٹھنڈی ہوائیں کھائے اپنے گرمائی مشترکے ہوئے ہوں تو میرا کیا بنے گا؟

بہر حال دل کو سمجھایا کہ اب گھبرانا کیسا؟ اوکھلی میں سردیاں تو موسلوں سے کیا ڈر؟ چلاس کا بازار آیا۔ اونچے اونچے موڑ آئے۔ میزچی میڑی کلیاں۔ چھوٹی سی عمر کا لڑکا کس مہارت سے گاڑی چلاتا تھا۔ ہر موڑ پر میرا دل ڈوب جاتا کہ بس اب گاڑی الٹی کہ الٹی لیکن خیریت رہی اور اسپتال روڈ کے تین مقابل ایک کھلے سے میدان میں اس نے مجھے آتے ہوئے کہا۔

”لیجے وہ سامنے آپ کے ہاتھوں کا ٹکڑا ہے۔“

ابھی میں نے زمین پر قدم رکھا کہ پلاس کی ہوا کا ٹاک کے تختوں سے ایک زوردار شل لہا لہی تھا کہ میرے دائیں بائیں بچوں کا ٹکھٹا ٹک کیا۔ چلتے چلتے ہاتھوں والی چھوٹی چھوٹی چھوٹی ہتھوں نے ایرانی جری سے ہزاروں سرخ ہاتھوں والے نیلے نیلے سوٹ پہن رکھے تھے۔ اوڑھنیاں سرائی پر تھیں اور ہاتھوں کا رنگ واضح نہیں ہو رہا تھا۔ سرخ و سفید چھوٹے لڑکوں کے پیچھے لیس دار مادے سے لٹھری ٹاکوں والے لڑکے جن کے نقش و انکار ان خدوخال سے مختلف تھے جن کے ہارے میں میں نے پڑھا اور سنا تھا۔

اپنے ارد گرد اس پر رونق نیلے کو دیکھ کر مجھے خوشی کا احساس ہوا تھا۔ دل کو ڈھارس بندھی کہ چلو کچھ لوگ تو ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا تھا کہ بہت سے سرکاری ملازمین اور کاروباری گھرانے ابھی یہیں ہیں۔

جیسی میرے میزبان آنکھوں میں حیرت و استعجاب کے رنگ لیے میرے سامنے آکھڑے ہوئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے ڈاکٹر ناموس کی کتاب کا ایک خالص شین چہرہ کتابی صفحات سے نکل کر میرے سامنے آ گیا ہو۔ چھوٹی کاسٹ، کھڑی ٹاک پر ذرا مودے، موٹی آنکھوں کی رنگت اودے اور نیلے رنگ کے جین ٹین، رخساروں کی بلایاں ڈھیری ہوئیں لیکن گال ہچکے ہوئے۔ چہرہ سرخ و سفید اور بارش۔

انہیں شاید کسی نے اطلاع دے دی تھی۔ میں نے اپنا تعارف اپنے چچا کے حوالے سے کروایا۔ بہت خوش ہوئے۔

ان کے پیچھے پیچھے چلتی گھر میں داخل ہوئی۔ گزرگاہ کے ساتھ مرادہ بیٹھک جس کا دروازہ صاحب خانہ نے کھولا تو لکڑی کی چھت کھڑکیوں اور دروازوں کے ساتھ فرش بھی چوبلی نظر آیا۔ چلاس کی دادیاں داریل اور تانگیر جنگلات کا گھر ہیں۔ مکان میں لکڑی کا استعمال فراخ دلی سے ہوتا ہے۔ نشست گاہ آنگن سے تین زینے نیچی تھی۔ صحن کے ایک طرف بادام کا درخت کچے پھل کے ساتھ پڑ پھیلائے کھڑا تھا۔ دوسری طرف کال کی لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ آنگن سے ذرا اونچا برآمدہ اور آگے دو کمرے جن پر کسی اجڑی بیوہ کا گمان پڑتا تھا۔ ہاں، البتہ لگتی بیش قیمت بندوقیں چلاس لوگوں کی جنگویانہ ذہنیت کی عکاس تھیں۔ (باقی آئندہ)



اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔  
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10 مئی 2015ء ہے۔

بلا عنوان



اپریل 2015ء کے "بلا عنوان کارٹون" کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، ان میں سے مجلس امداد کو جو عنوانات پسند آئے، ان عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرضہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔



- ▶ ہمیش کے آگے بن بھالے کی بجائے ہمیش کے کانوں میں گانا بھانا (شاہ احمد، خاندوال)
- ▶ میوزک نے کیا سہ حال اب بنتا چاہے دودھ نکال (عدنی کامران، لاہور)
- ▶ ہو گیا فیشن پرانا ہمیش کے تکیے میں بھانا (عاطف ممتاز، چکوال)
- ▶ جنگل میں منگل کا ہاں دیکھا ہے (حافظ شاہ عروج، فیصل آباد)
- ▶ یہ عالم شوق کا دیکھا جائے (ارفع، عائشہ اختر، راول پٹری)



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](http://fb.com/paksociety)

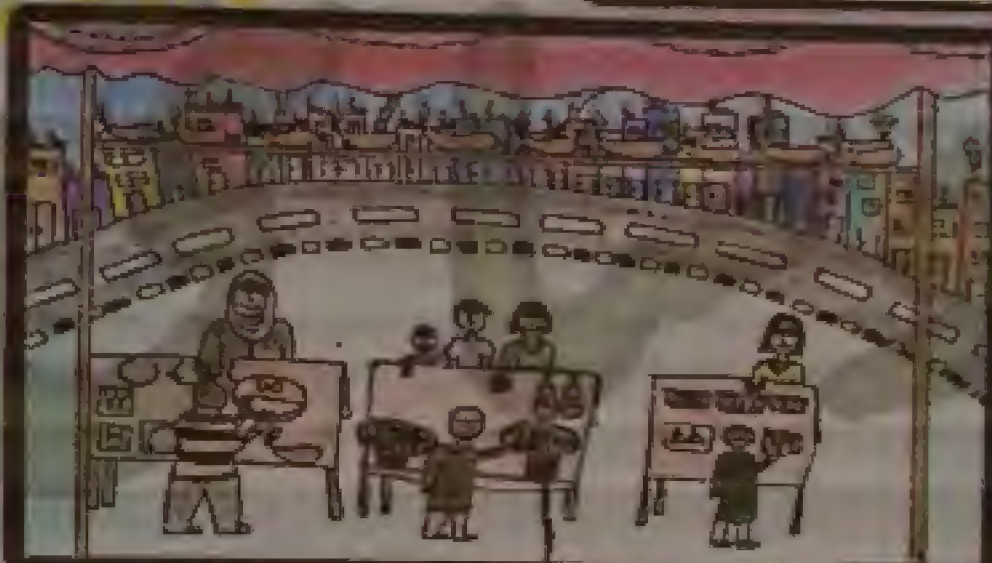


[twitter.com/paksociety1](http://twitter.com/paksociety1)





محمد زبیر جمشید، خانیوال (پہلا انعام: 195 روپے کی کتب)



لائیہ عرفان، کراچی (تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب)



سیدہ قریم بیگم، لاہور (دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب)



محمد شہزاد، راولپنڈی (چوتھا انعام: 85 روپے کی کتب)



عائشہ اختر، رحیم یار خان (پہلا انعام: 165 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام یہ ذریعہ قرعہ اندازی ذیل اور العین، رسالہ پور۔ عبداللہ زاہد، فیصل آباد۔ شہرہ غفار، رحیم یار خان۔ محمد خان، خانیوال۔ عائشہ وحید، بہاول پور۔ زویبہ احمد، کراچی۔ مقدس چوہدری، راولپنڈی۔ حمزہ عبدالرزاق، اڈاکاڑہ۔ نادیہ بشیر، عشاء نور، عبداللہ بشیر، حسن بشیر، سیال کوٹ۔ نسیب حسین، کراچی۔ کشف طارق، لاہور۔ رشوان مصطفیٰ، اڈاکاڑہ۔ بشری ناز، زل رانا، انور کامران، کلیمہ زہراء، لاہور۔ محمد احمد کامران، شام علی، توفیق احمد، ملتان۔ سجاد حیدر، گجرات۔ زویب خان، گل ہما، نازش طفیل، صدیقہ عائشہ، کوئٹہ۔ عاصم اسلم، پشاور۔ بنیم ظلال، کراچی۔ عید، اسلام آباد۔ فحوی، راولپنڈی۔ سہیلہ خان، گوجرانوالہ۔ سندس اویس، کراچی۔ طلحہ اعجاز، ملتان۔ صادقہ قریشی، قلند کوہستان۔ سعید الحسن، سمندری۔ مہمقہ، لاہور۔ سعیدہ عثمان، پشاور۔ نورین احمد، حیدر آباد۔ جاوید اختر، سیال کوٹ۔ عبدالغفار غفور، حیدر آباد۔ جلال خان، پشاور۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 8 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر صورت اچھا نام، عمر، کلاس اور ہدایہ لکھ کر اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

آخری تاریخ 8 جون  
آخری تاریخ 8 مئی